میں آنکھیں بند رکھتی ہوں



ڈاکٹر نجمہ شاہین کھوسہ

انتساب

اسے کہو جب بھی وہ میری تصویر دیکھے
میری آنکھوں میں چھپے گرداب پڑھ لے

مرے بے رنگ ہونٹوں کی خموش زباں کو سمجھے
اور میری ژولیدہ پیشانی مانند کتاب پڑھ لے

میرے اوراق میں بکھرے ہوئے لفظوں کو سمیٹے
گردش دوراں سے جو ملے وہ عذاب پڑھ لے

میرے شب و روز کا محور ہے اس کا ہجر و فراق
دشت جنوں میں جو پائے ہیں وہ عتاب پڑھ لے

اسے کہو کہ میری روح کے کرب کو بھی سوچے
ظلمت دوراں نے جو کیے ہیں برباد میرے وہ خواب پڑھ

اسے کہو میں اسکے ذکر میں رہوں نہ رہوں
وہ ہے میرا حرف طلب ، میرا انتساب پڑھ لے

فہرست

پیش لفظ

''پھول سے بچھڑی خوشبو'' اور ''میں آنکھیں بند رکھتی ہوں'' ایک ہی منزل کا سفر ہیں ایک ایسا سفر جس میں گماں کو یقیں میں اور یقیں کو گماں میں بدلتے دیکھا۔ یقیں کی یہ تبدیلی شاید وقت کی ضرورت تھی یا شاید وقت اتنا طاقتور ہے کہ وہ اسے مُہرے کے طور پر استعمال کرتا ہے۔ آخر کیا کیا جائے کہ یقیں اور گماں اور یہ زندگی بس ایک سفر ہی تو ہے، ایک سوال ہی تو ہے، رواں دواں، دکھ اور سکھ کا، لمحوں اور کردار کے بدلتے مناظر لیے، آس اور نا امیدی کا چاہت اور ضرورت کا۔ ہاں اور ناں کا، عشق اور وحشت کا، الہام اور یقیں کا۔ یہ سب ایک ہی کہانی کے کئی کردار ہیں۔ ان کرداروں میں سے کچھ اَمر ہیں اور کچھ اپنی قوت اور طاقت اس اَمر کردار پہ صرف کرنے والے، خود کو فنا کر کے اسے بقا دینے والے یقیں اور گماں کے اس سفر میں دکھ ہی وہ کردار ہے جو اپنا لگنے لگتا ہے اور دکھ ایسا ساتھ دینے لگتا ہے کہ لگتا ہے زندگی میں جیسے سکھ کوئی معنیٰ ہی نہ رکھتا ہو۔ اور انسان دکھ اور سکھ دونوں کے اظہار میں مختلف رویے اور طریقہ اپناتا ہے کہ یہ دونوں تو وقت کی گردش میں وقت گزارنے کا بس بہانہ ہیں اور وقت کا کام گزرنا ہے اس کو اس سے کوئی سروکار نہیں کہ کون کیسے جی رہا ہے کبھی اپنے صدیوں کے اس کٹھن سفر میں چند ایسے لمحے چھوڑ جاتا ہے جو بقاء ہیں جو انسانی ارتقاء کو اس کے آغاز سے انجام تک پہنچاتے ہیں اور وہ لمحے بہت عجیب ہوتے ہیں ''جو نہ جینے دیتے ہیں نہ مرنے دیتے ہیں مگر وہی اثاثہ ہوتے ہیں''......ایک ایسا اثاثہ جو زندگی کے اس کٹھن سفر میں زادِ راہ ہوتا ہے کہ اس کے بغیر زندگی کا خرچ کہاں سے لایا جائے کہ اس کے بغیر زندگی کا سفر کیسے کٹے سفر چاہے خوشی کا ہو یا دکھ کا بہرحال خرچ تو مانگتا ہے۔ اثاثہ تو مانگتا ہے۔ چاہے وہ اثاثہ ساری زندگی کے بدلے چند لمحوں کا ہی کیوں نہ ہو اور وہی چند لمحے ہی تو حقیقت ہوتے ہیں بے شک باقی سارا سفر خوابوں کا ہو، اور خوابوں کا کام تو ٹوٹنا ہے، انہیں بھلا ٹوٹنے سے کون روک سکتا ہے۔

اُن کو ٹوٹنے میں تو بس آگہی کا ایک ہی لمحہ کافی ہے اور آگہی کو پانے کیلئے کبھی صدیاں کافی نہیں ہوتیں اور کبھی ایک لمحہ کئی

صدیوں پہ بھاری ہوتا ہے لیکھ کی لکیریں سب کی برابر نہیں کسی کے چند آنسو پونچھنے کیلیئے ہزاروں ہاتھ لے آتی ہیں اور کسی کی سمندر آنکھوں کو تنہائی اور خاک کا ڈھیر دے جاتی ہیں کہ جس پہ سمندر آنکھیں بھی صحرا ہو جاتی ہیں اور دل میں غم کی ایسی گھٹن بن جاتی ہے کہ جس کو فرار چاہیے ہوتا ہے سانسوں کو برقرار رکھنے کیلیئے۔اور یہ فرار کبھی ''دشت وحشت'' میں لے جاتا ہے اور کبھی دشت تنہائی میں محفلیں سجاتا ہے۔

لفظوں کی خیالوں کی، دکھ اور سکھ سے سجے موتیوں کی، یادوں کے ڈھیر پہ اٹھنے والی چنگاریوں کو شعلہ بنانے کی اور دل کی بنجر زمین پہ یادوں کے پھول اگانے کی۔کتنا دھوکہ دیتا ہے خود کو انسان، ہار کے بھی جیت کے خیال سے خود کو خوش رکھتا ہے۔خوش فہمیوں میں ایک خیال کو اپنے سلیقہ ہنر سے کس کمال کا بت بنا دیتا ہے اور اسے ہی پوجتا رہتا ہے۔اِک ایسا پجاری بن بیٹھتا ہے جو عقل و شعور اور ادراک کے معنٰی کھو چکا ہے۔جو اپنے ہاتھوں بنائے پیکر کو خدا سمجھ رہا ہے مگر اسے کون شعور دے کہ لا حاصل عشق میں تو سب رائیگاں جاتا ہے۔

خلوص، چاہت، مروت، وفا، سب اس گونگے، بہرے، اندھے لا حاصل عشق میں رائیگاں ہیں اور جب کبھی شعور پہ منکشف بھی ہو تو تب بھی عشق اندھا بہرہ ہے عشق کو تو بس ایک پیکر چاہیے پوجنے کیلیئے، اسے اس سے کوئی مطلب نہیں کہ وہ پیکر کیسا ہے، اس کا طلبگار ہے بھی یا نہیں اسے تو سارا سروکار اسی پیکر سے ہے اور جب وقت کا دیو اس سے وہ پیکر چھین لے تو عشق کا انجام صرف گور رہ جاتا ہے اکہ اسے بھلا اس پیکر کے بغیر بقاء کیسے ملے وہ کیسے جیئے، وفا کیسے نبھے اپنے ہاتھوں سے بنائے اس پیکر کو خدا سمجھنے والا یہ عشق حیراں و پریشاں، پا پیادہ بے سروساماں اس پیکر کو ڈھونڈنے لگ جاتا ہے اور آخر یونہی ڈھونڈتے ڈھونڈتے وقت کا دیو اسے نگل جاتا ہے۔لا حاصل عشق کا یہ سفر بہت کٹھن ہوتا ہے بے بسی اور گھٹن سے بھرپور، لحہ لحہ جسم و جاں سے لہو کو نچوڑ کر آنکھوں کے راستے باہر نکالنے والا، بے منزل، بے نشاں راستہ، جس کا انجام صرف موت اور حشر کی امید، اور یہ امید ایک طفل تسلی، کہ بھلا حشر میں بھی مالک حقیقی کیا قدر کرے کہ جس کی معبودیت چھوڑ کے اک خیال کو معبود بنا لیا ہو۔اور روز حشر بھی تو وہی ساتھ ہوں گے جہاں طالب و مطلوب کا عشق ایک معنی رکھتا ہو۔وہاں بھلا صرف طالب کا عشق کیا معنی رکھے گا اور وہاں بھی عشق لا حاصل رہنا ہے اصولوں کے مطابق اور یہی انت یہی انجام ہے

ڈاکٹر نجمہ شاہین

حمد

جہاں جہاں گئی نظر، وہاں وہاں ملا ہے تو
ہر اک جگہ، ہر اک نگر، جو دیکھیے خدا ہے تو

ہیں رنگ و نور چار سو ترا وجود کوبکو
چمن چمن دمن دمن جمالِ دلربا ہے تو

کہیں ہے تو بلالؓ میں، کہیں کسی جمال میں
نہ ہو کسی کا گر کوئی اسے بھی پالتا ہے تو

یہ زندگی کی رونقیں ترے ہی دم سے گل فشاں
مرا نصیب ہے بلند، میرا آشنا ہے تو

ہر ایک بحر و بر میں تو، وجودِ خیر و شر میں تو
ہر ایک سمت جلوہ گر جہاں میں اے خدا ہے تو

نعت شریف

کہوں نعت کیسے، سلیقہ سکھا دو
مری سانس کو موجِ خوشبو بنا دو

گھری ہوں میں کب سے پریشانیوں میں
میں عاجز ہوں آقا، مجھے حوصلہ دو

تغافل میں جینا ہے شیوہ ہمارا
ذرا خوابِ غفلت سے ہم کو جگا دو

گناہوں نے گھیرا ہے انسانیت کو
مجھے کملی والےؐ، رِدا میں چھپا دو

شبِ تیرہ و تار میں میرے آقاؐ
رخِ پاک سے اپنے پردہ اٹھا دو

فراواں ہو ذوقِ عبادت ہمیشہ
مرے دل سے دنیا کی چاہت مٹا دو

محبت ہو تیری مری بندگی میں
مجھے دین و دنیا میں اچھا بنا دو

نعت پاک

مدینے کو جاؤں، مدینے کو جاؤں
عقیدت کی ساری میں رسمیں نبھاؤں

میں جی بھر کے روؤں، میں آنسو پروؤں
میں حال اپنا رو رو کے اُنؐ کو سناؤں

میں بڑھ بڑھ کے چوموں جو روضے کی جالی
یہ پلکیں جو بھیگی ہیں اُس پر لگاؤں

میں سجدے کروں گی ، نمازیں پڑھوں گی
اُنہی کو میں اپنی وفائیں دکھاؤں

مرے سامنے بس ہوں روضے کے جلوے
اُنہیؐ کے تصور کی محفل سجاؤں

مری فکر بھی میرا دین و دھرم بھی
اُنہیؐ کی محبت کو منزل بناؤں

مدینے میں آئے مجھے وقتِ آخر
کہ میں روح کو اپنی واں چھوڑ آؤں

ہے شاہین نعتِ نبیؐ ان لبوں پر
تقاضے ادب کے میں کیسے نبھاؤں

دُعا

اے خدا تو محتسب ہے مجھ پہ اک احسان کر
بھول کر لغزش مری یہ زندگی آسان کر
وقت کی اس دھوپ میں جلتے ہیں مرے جسم و جاں
چلچلاتے موسموں میں اپنا سایہ مہربان کر

غزل

آپ کے ہیں روبرو میں اور میری زندگی
جلوۂ صد آرزو میں اور میری زندگی

آپ ہی ہیں بزم آرا اور بزم ناز بھی
پھر رہے ہیں کوبکو میں اور میری زندگی

گردش دوراں سے ہیں دست و گریباں دیر سے
صورت جام و سبو، میں اور میری زندگی

ہم وفا کی آرزو میں دربدر پھرتے ہیں
ہیں سراپا جستجو، میں اور میری زندگی

آسماں کے چاند کیا تجھ کو بتاؤں حال زار
زخم دل ہیں بے رفو میں اور میری زندگی

گم ہے میری ذات بھی بحر وجودِ ذات میں
موجزن ہے آبجو، میں اور میری زندگی

زندگی کا قافلہ، دشت تپاں میں ہے رواں
سر بسر جوش نمو، میں اور میری زندگی

موسم ہجراں سے ہے شاہین اس دل کی بہار
چشم تر کی آبرو، میں اور میری زندگی

غزل

مل رہی ہیں چار سو کیوں وحشتیں بہکی ہوئی
کس گلی میں رہ گئیں وہ قربتیں نکھری ہوئی

اب مہک تیری مری ہر پور میں یوں رچ گئی
منتظر ہیں آنکھ میں کچھ حیرتیں دہکی ہوئی

ہجر کی وحشت نے دل کو کر دیا رنجور اب
بھولتی جاتی ہوں میں اب صورتیں دیکھی ہوئی

اب کہاں اور کس رفاقت میں مجھے لینی ہے سانس
شہر میں ملتی ہیں ہر جا فرقتیں بکھری ہوئی

وادیوں میں دل کی اب خاموش سی اک شام ہے
دشت میں کھو ہی گئیں وہ شدتیں مہکی ہوئی

پائی تھیں ہم نے کبھی رنگوں بھرے اس شہر میں
گم ہوئیں چاہت بھری وہ محبتیں نکھری ہوئی

غزل

کسی کو میں اب تک خدا لکھ رہی ہوں
میں مجرم نہیں پر سزا لکھ رہی ہوں

کیا جس نے دامن کو خوشیوں سے خالی
میں اس کیلئے بھی دعا لکھ رہی ہوں

بنا ہے جو اب تک سبب تیرگی کا
ستاروں کی اس کو ردا لکھ رہی ہوں

کیا خاک کو آسماں میرے دل نے
میں زخموں کو ہی اب دوا لکھ رہی ہوں

برسنے کے قابل نہیں تھا کبھی بھی جو
میں گھنگھور اس کو گھٹا لکھ رہی ہوں

میں ہوں ہیر اپنی وفا میں ابھی تک
سو رانجھے کی خود کو صدا لکھ رہی ہوں

غزل

ہجر میں بھی یہ مری سانس اگر باقی ہے
اسکا مطلب ہے محبت میں اثر باقی ہے

چھوڑ یہ بات ملے زخم کہاں سے تجھ کو
زندگی اتنا بتا کتنا سفر باقی ہے

تم ستمگر ہو نہ گھبراؤ مری حالت پر
زخم سہنے کا ابھی مجھ میں ہنر باقی ہے

ہجر کی آگ میں جلنے سے نہیں ڈرتی میں
عشق مجھ میں ابھی بے خوف وخطر باقی ہے

میرے تنکے بھی ہوئے راکھ تو کیا حرج بھلا
آتش عشق بتا کتنا یہ گھر باقی ہے

سانس لینا تو شاہین نہیں ہے جیون
ڈھونڈ کر لاؤ میری روح اگر باقی ہے

غزل

عجیب سی رُتیں تھیں اور عجب ہی پیرہن ملا
کہ لوگ پھول مانگتے تھے اور انہیں کفن ملا

گلی گلی میں بس رچی ہوئی ہے خون کی مہک
یہ موسم بہار بھی عجب تجھے وطن ملا

ہر ایک اپنی ذات کے حصار میں اسیر تھا
کہ خود فریبیوں میں ہی ہر ایک موجزن ملا

میں اک مہک تھی پھول کی، بکھری تو دور تک گئی
یہ اور بات ہے مجھے کہیں نہ پھر چمن ملا

لبوں پہ جو دعائیں تھیں کہاں نہ جانے کھو گئیں
ہر ایک راہ گزار پر ہمیں تو راہزن ملا

میں ذہن و دل کی جنگ سے تھکی ہوئی ہوں بے طرح
کسی کی یاد اوڑھ کر یہ خاک کا بدن ملا

غزل

جس کے خیال نے کیا سب سے جدا مجھے
زخموں سے کر گیا ہے وہی آشنا مجھے

الجھی رہی میں ایک ہی رستے میں رات دن
زنداں کے وسط میں کوئی دفنا گیا مجھے

چلنا ہے آندھیوں میں سنبھل کر تمام رات
ہاتھوں میں دے گیا ہے وہ جلتا دیا مجھے

جس راستے میں خار ہیں ، پتھر ہیں ، دھول ہے
اس راہ پر ہی لے کر چلی ہے ہوا مجھے

رہبر سمجھ کر جس کے کبھی ساتھ میں چلی
شاہین اس نے راہ میں الجھا دیا مجھے

غزل

زندگی جب بھی روبرو آئی
میں ہر اک دکھ کو خود ہی چھو آئی

جب بھی اس کا خیال آیا ہے
اپنے دل سے بھی مشکبو آئی

ہے عجب رت یہ میرے گلشن میں
لے کے دامن میں جو لہو آئی

خار کچھ اور منتظر دیکھے
کر کے دامن کو جب رفو آئی

میں نے دیکھی نہیں تھی جو صورت
کیوں مرے دل میں ہو بہو آئی

میں نے شاہیں اسے پکارا جب بھی
اپنی آواز کوبکو آئی

غزل

دیکھا جو خالی ہاتھ سویرے بھی ہنس پڑے
بلایا جو میں نے چاند اندھیرے بھی ہنس پڑے

کل تک الجھ رہی تھی میں جن سے وفا کے ساتھ
وہ چھوڑ کر چلے تو لٹیرے بھی ہنس پڑے

غیروں نے میرے حال پہ ہنسنا تھا سو ہنسے
اپنا کہا تھا جن کو وہ میرے بھی ہنس پڑے

کیسے میں مان لوں کہ تجھے ہجر کا ہے دکھ
چہرے کے ساتھ اشک جو تیرے بھی ہنس پڑے

شاہین تیرگی ہے بہت میری ذات میں
اندھیروں کے ساتھ ساتھ سویرے بھی ہنس پڑے

غزل

تلخیاں اور ، بے بسی ، ویرانیاں
چار جانب ہیں عجب حیرانیاں

پیاس جب باقی نہیں چشمے ہیں کیوں
کیا کروں دریا کی اب طغیانیاں

روح سے محروم ہے اب یہ بدن
اور کچھ راہیں بھی ہیں انجانیاں

پھول خوشبو، وہ سفر اور وہ نگر
خواب میں آنکھوں کی بس حیرانیاں

ساتھ ہی رہتی ہے یادوں کی مہک
کون بھولے دل کی یہ نادانیاں

ڈال کر مشکل میں خود کو آج پھر
ڈھونڈنے نکلی ہوں کچھ آسانیاں

غزل

طے ان سے روز حشر ملاقات ہوگئی
ہم جس سے ڈر رہے تھے وہی بات ہوگئی

جب سے کسی سے ترک ملاقات ہوگئی
آنسو گرے کچھ ایسے کہ برسات ہوگئی

شاہین عشق میں یہ کرامات ہو گئیں
میں جیت چاہتی تھی مجھے مات ہو گئی

اہل جنوں کو جشن چراغاں سے کیا غرض
صحرا کی چاندنی میں بسر رات ہوگئی

دل کی خلش سے بارہا بیتاب ہوگئے
آخر کو اشکِ خون میری سوغات ہوگئی

غزل

غضب کی مار دیتا ہے ہمیں یہ درد تنہائی
نیا کردار دیتا ہے ہمیں یہ درد تنہائی

دھری رہتی ہے سب اپنی انا اس دشتِ وحشت میں
کئی آزار دیتا ہے ہمیں یہ درد تنہائی

شب ہجراں کی ظلمت ہی مقدر بن گئی اپنا
دلِ بیدار دیتا ہے ہمیں یہ درد تنہائی

مزا باقی ہے جینے کا ، نہ موت آتی ہے غربت میں
فرازِ دار دیتا ہے ہمیں یہ درد تنہائی

نظر کے سامنے ہیں گلشنِ عالم کی تاریخیں
جنون ِکار دیتا ہے ہمیں یہ درد تنہائی

بڑی مشکل سے ملتا ہے مقام آگہی شاہیں
عجب شہکار دیتا ہے ہمیں یہ درد تنہائی

غزل

ہم نے عشق جذبوں کی جاگیر بکتے دیکھی ہے
بہت انمول چہروں کی توقیر بکتے دیکھی ہے

میں ان بے خواب آنکھوں میں سجاؤں کس طرح انکو
کہ میں نے مہنگے خوابوں کی تعبیر بکتے دیکھی ہے

عشق ایک موسم ہے اور میں نے ایسے موسم میں
کیسے کیسے رنگوں کی تصویر بکتے دیکھی ہے

عشق کی کون سی حالت سے گزر آئی ہوں میں
ہجر میں وصل کی اکسیر بکتے دیکھی ہے

زندگی شاہین مجھ کو قرض سا لگنے لگی
جب سے اپنی سوچوں کی تنویر بکتے دیکھی ہے

غزل

مدتوں سے دربدر ہے زندگی
یعنی خود سے بے خبر ہے زندگی

جب اِسے اُس کا پتہ ملتا نہیں
کیوں یہ مصروف سفر ہے زندگی

کچھ نہیں تشنہء لبی ہے چار سو
دھوپ صحرا رہگزر ہے زندگی

پھر دیار یار میں عقدہ کھلا
جیسے بس گرد سفر ہے زندگی

وہ کہاں ہے یہ اگر ہے راستہ
میں کہاں ہوں یہ اگر ہے زندگی

زندگی میں زندگی مل جائے تو
موت سے بھی معتبر ہے زندگی

غزل

جب اپنا کسی سے بھی ستارہ نہیں ملتا
کیسے کہیں کہ کوئی دوبارہ نہیں ملتا

تم کیسے اندھیروں میں مجھے چھوڑ گئے ہو
آنکھوں کو میری کوئی نظارہ نہیں ملتا

اس خاک سے ہم خود ہی بنا لیں کوئی تصویر
افلاک سے اب کوئی اشارہ نہیں ملتا

ہم لوگ محبت سے بتا کس کو پکاریں
دنیا میں کوئی ہم سا ہمارا نہیں ملتا

وہ شخص میرا ہاتھ کہاں چھوڑ گیا ہے
کھاتے ہیں جو ٹھوکر تو سہارا نہیں ملتا

سوکھے ہوئے پتوں کی طرح اڑتے ہوں جب لوگ
ہم جائیں کہاں، کوئی اشارہ نہیں ملتا

غزل

بس چکی ہے جو دل و جاں میں محبت تیری
بھول سکتی ہوں میں کیسے بھلا وہ چاہت تیری

تیری یادوں سے ہے وابستہ مرے دل کا سکون
اک گھنی چھاؤں کی صورت تھی رفاقت تیری

تیری صورت کے مشا بہ نہیں صورت کوئی
میں نے ہر چہرے میں ڈھونڈی ہے شباہت تیری

تازہ تازہ ہے ابھی لمس ترے ہاتھوں کا
میرے ہاتھوں کی حنا بھی ہے عنایت تیری

تجھکو کھو کر بھی میں خوش ہوں یہ ہے کیسے ممکن
ساری دنیا کا اثاثہ بھی نہیں قیمت تیری

ہم بھی دو چار گھڑی ساتھ رہے ہیں تیرے
ہم کو معلوم ہے شاہین طبیعت تیری

غزل

یہ کس کی یادوں کے پیرہن میں حسین موتی پرو رہی ہوں
لگے ہیں زخم جو روح کو، وہ لہو کے اشکوں سے دھو رہی ہوں

سلگتے صحرا کی پیاس جیسے مرے بدن میں رچی ہوئی ہے
اسی سبب سے میں خود کو دریا کی تیز رو میں ڈبو رہی ہوں

چھپا ہے کیسا طلسم جانے یہ تیرے خوابوں کی وادیوں میں
جو ترے تصور کی شال اپنے بدن پہ اوڑھے میں سو رہی ہوں

گلہ نہیں ہے جو ابر نیساں بغیر برسے گزر گیا ہے
میں اپنے اشکوں کی آبجو سے گلاب صحرا میں بو رہی ہوں

وہ زمانہ شناس تھا وقت کے ساتھ اپنا رستہ بدل گیا ہے
ہوں کتنی نادان میں اپنے پاؤں میں غم کے کانٹے چبھو رہی ہوں

مجھے یقیں ہے کبھی وہ دیکھے گا لوٹ کر میرا حال آخر
میں اس کی فرقت میں کب سے شاہین اپنی پلکیں بھگو رہی ہوں

غزل

سوزِ فراق و ہجر میں رنجور ہو گئے
اپنی فصیلِ درد میں محصور ہوگئے

بے نام منزلوں کی مسافت نہ پوچھئے
ہر گام فاصلوں کے نشاں دور ہو گئے

تجھ سے ملن کی رُت ہی بہت با کمال تھی
ہم لوگ بن پیئے یونہی مخمور ہو گئے

آرائش جمال بے مقصد سی ہو گئی
تم کیا گئے کہ آئینے بے نور ہو گئے

شاہین دھوپ چھاؤں ہے اپنی حیات بس
مغموم ہو گئے، کبھی مسرور ہو گئے

میں آنکھیں بند رکھتی ہوں

جب رخ یہ وقت بدلتا ہے
تقدیر جو مجھ پہ ہنستی ہے
میری معصوم سی پلکوں پہ
جب خواب نئے وہ چنتی ہے
جب خواب وہ ٹوٹنے لگتے ہیں
ان خوابوں کی کرچیوں کے خوف سے
میں آنکھیں بند رکھتی ہوں
میرے خاموش لبوں سے
جب لفظ روٹھنے لگتے ہیں
اور یوں محسوس ہوتا ہے

جیسے دہکتے سورج کی تپش
نرم و نازک پھولوں کو
بیدردی سے مسلتی ہے
تو ایسے دشت لمحوں میں
میں آنکھیں بند رکھتی ہوں
جب کرچی کرچی شیشوں میں
بکھرے بکھرے شہروں میں
جب دل کی نگری لٹتی ہے
اور دولت کی دیوی پر
محبت قربان ہوتی ہے
اور سچائی دم توڑ دیتی ہے
جب اندھی الجھتی بجلیاں
آسمان سے گرتی ہیں
کسی غریب کا گھر جلاتی ہیں
تو ایسے بے بس لمحوں میں
میں آنکھیں بند رکھتی ہوں
جب معصوم سوچ کی راہوں میں
کوئی بن کے ہمراہی دور تک ساتھ چلتا ہے

بہت دور تک ساتھ چلتا ہے
پھر راہ بدلنے لگتا ہے
اور راہرو بننے لگتا ہے
تب جدائی کے خوف سے
ضبط کی حد سے گزر کر جب آنکھوں کا بند
یہ ٹوٹتا ہے
میں آنکھیں بند رکھتی ہوں
جب اُسکی یادوں کے جھروکوں میں
میں خیالوں کا ریشم بُنتی ہوں
اور وہ ریشم کھل کے بکھرتا ہے
میری تخلیق بکھرنے لگتی ہے
میں آنکھیں بند رکھتی ہوں
اگر میں آنکھیں کھولوں گی
کتنے دل خفا ہوں گے
میرے سچ کی سانس سے
اس شہر کی بھیڑ میں
کتنے چہرے رسوا ہوں گے
میں شکستہ دل ، چاک قبا

اپنے رِستے ہوئے زخموں کا لہو
اپنے صبر کی اوٹ میں ڈھکتی ہوں
جب درد کی ٹیسیں
میری پتلیوں میں چبھتی ہیں
اور روح بے چین ہوئی ہے
میں آنکھیں بند رکھتی ہوں

میں کس سے اپنا حساب مانگوں

میں دشتِ وحشت کی تنہا لڑکی
کسے پکاروں، کسے صدا دوں
میں کس کے دامن سے لگ کے روؤں
میں کس کو اپنے یہ اشک سونپوں
بکھرے خوابوں کی کانچ لیکر
سلگتی خواہشوں کی آنچ لیکر
جو بے سمت سفر سراب کر رہی ہوں
میں اُس کی تھکن کس کو بتاؤں
روح کے زخم کس کو دکھاؤں
دل کے دریچے میں پنہاں وہ خواب سارے

جو موتی بن کر پلکوں پہ میری لرز رہے ہیں
وہ مچلتے آنسو کہاں گراؤں
لرزتی خواہشیں کہاں سلاؤں
میں اپنی تھکن کسے دکھاؤں
اپنی رائیگاں خواہشوں اور چاہتوں کا
کس سے حساب مانگوں
تمام رائیگانیاں سمیٹے عمر رواں جو ڈھل رہی ہے
اُسکے اُجاڑ وہ خال وخد اور خواب مانگوں
فنا کے لمحوں کی وہ کہانی
جو زخموں کی صورت لگی ہے رِسنے
اسکا مرہم گلاب مانگوں
صحیفہء دل پہ جو نقش ہوئے ہیں
اُن محبتوں کا نصاب مانگوں
میں وہ مسیحا کہاں سے لاؤں
جو میرے زخموں کو اندمال کر دے
محبتوں کے رفاقتوں کے
حسیں احساس کو لازوال کر دے
وقت جو فرقت بچھا رہا ہے

دکھ شبِ ہجراں دکھا رہا ہے
اُسے محبتوں سے سجا حسین لمحہ
قرب و وصال کر دے
مجھ گردِ سفر کو بنا کے منزل
مجھ کو بے مثال کر دے
با کمال کر دے
میں وہ جمال کہاں سے لاؤں
میں وہ کمال کہاں سے لاؤں
میں دشتِ وحشت کی تنہا لڑکی

بس ایک لمحہ اگر مل جائے

پھر رت یہ جدائی کی
میرا گیت نہ ہو جائے
کہیں ساز محبت ہی
رِیت نہ ہو جائے
منظر یہ بچھڑنے کا
نہ آنکھوں میں ٹھہر جائے
پھر پھول کی خوشبو
نہ ہواؤں میں بکھر جائے
اک بار گلے مل کے
ذرا کھل کے تو رولوں میں
دامن یہ محبت کا
اشکوں سے پرولوں میں
اک لمحہ ہی کافی ہے
اگر تیری ہولوں میں

فکریہ

اے شبِ تار!
تجھ کو معلوم بھی ہے؟
تیری تاریکی میں دیے جلانے والی
یہ تنہا لڑکی
اب تک اپنے ہاتھوں کی لکیروں سے
کیوں الجھتی ہے ؟
کس کی راہ تکتی ہے ؟

اعترافِ وفا

کیا تھا اک بار اگر
تم نے بھی اعترافِ وفا کیا ہوتا
زمانے سے تجھ کو بھی جدائی کا گلہ ہوتا
جرمِ وفا کے معنی کو
تم نے بھی پڑھا ہوتا
جس نے دل سے تجھے چاہا تھا
کبھی اُس کو اپنا بھی کہا ہوتا
دلِ نامعتبر کو کچھ تو رتبہ دیا ہوتا
ہاں یہ بھی حقیقت ہے جاناں
غموں کی دھوپ کڑی ہے بہت

نہیں دیتا اس میں ساتھ کوئی
گلزار راہوں کے ساتھی ہیں بہت
کانٹوں پہ نہیں چلتا ساتھ کوئی
غموں میں تیرا ساتھ رہے
یہ مجھ کو بھی منظور نہیں
بس تیرے اعتراف سے جاناں
تیرے چند لفظوں کا آسرا ہوتا
اک تیرے اعتراف سے
جیون کی جلتی راہگزاروں میں
جینے کا حوصلہ ملا ہوتا
اک بار
بس ایکبار
کاش تم نے اعتراف وفا کیا ہوتا

آکاس بیل

کبھی بچے تھے تو سنتے تھے
آکاس بیل تناور درخت کو جکڑ لے
تو اس کی طاقت، اس کے حسن کو
اپنی بانہیں پھیلا کر ختم کر دیتی ہے
تب پہروں بیٹھ کے سوچا کرتے تھے
آکاس بیل ہوتی ہے کیا ؟
جب عشق ہجر کے دکھ نے
من کے تناور شجر کو گھیرا تو
تب معلوم ہوا
آکاس بیل ہوتی ہے کیا
آکاس بیل کے معنی ہیں کیا

کتنا سکوں ہے یہاں

(ایک ہی سوچ)

میں اُس سے کہتی !

یوں اپنے سینے پہ میرا سر نہ رکھو

میں صدیوں کی جاگی ہوں

مجھے نیند آ جائیگی

وہ بڑے مان سے بازو پھیلاتا

مجھے سینے سے لگاتا اور بہت پیار سے

سرگوشیوں میں کہتا

آؤ ....

آؤ میری جاں

میرے بازوؤں میں سو جاؤ
ابھی جدائی میں کچھ وقت باقی ہے
تم بھی چند سانسیں جی لو
آؤ زندگی میں کھو جاؤ
بساؤ خواب آنکھوں میں
کچھ دیر کو سو جاؤ
اور جب وصل وقُرب کے ان حسین لمحوں میں
مجھے نیند سی آنے لگتی
میں دل میں سوچتی
'' کتنا سکون ہے یہاں ''
اتنے میں سرشار سے مدہوش لہجے میں
اپنی بھرپور صدا میں وہ کہتا
کتنا سکون ہے یہاں
ہاں کتنا سکون ہے یہاں

وہ رُت اب نہ آئے گی

کبھی جو لوٹ کے تم آؤ گے جاناں
تم کو یاد آئیں گے دن وہ سارے
وہ بیتی باتیں وہ لمحے پیارے
جب انجانی، ان دیکھی گلیوں میں
دو دل مہک رہے تھے
ایک منزل کے بن کے متلاشی
انجان راہوں میں بھٹک رہے تھے
یونہی بے دھیانی کے کسی ایک پل میں
جب بھی جاناں تم کو خیال آئیگا
بھول کے سارے اندیشہ وغم
دل تمہارا ابھی مسکرائے گا
اور یونہی چلتے چلتے کبھی

جب ان راہوں سے گزرو گے جاناں
جہاں ایک شجر قصہ سنائے گا تم کو
دو روحوں کا ملنا دکھائے گا تم کو
وصل و فراق کی روداد وہ ساری
ٹھہر ٹھہر کے سسکیوں کے درمیاں بتائیگا تم کو
تو ایسے بے کل، بے قرار لمحوں میں کہیں
آنکھیں تو تیری بھی بھر آئیں گی
رہ رہ کر بھولا وہ منظر دہرائیں گی
پھر وہ جدائی کا منظرِ محشر
رہ رہ کے تم کو بھی یاد آئے گا
مگر موسم و وقت کی لکیروں میں جاناں
رُت وہ محبت کی بدل جائے گی
چاند کی چاندنی بھی ڈھل جائے گی
وہ پھول تارے بھی ہوں گے شاید
وہ لوگ پیارے بھی ہوں گے شاید
نگاہیں تمہاری جنہیں ڈھونڈتی ہوں گی
وہ تمھارے پیارے نہ ہوں گے شاید
ہاں ہم تمہارے نہ ہوں گے شاید

مکالماتی نظم

آخری ملاقات کا منظر

میں کہتی کیسا لگتا ہے بعد برسوں کے
پھر اک حسیں ملاقات کا منظر
وہ کہتا !
دیکھ رہا ہوں اس دنیا میں قبول
حرفِ مناجات کا منظر
میں کہتی !
کیا اب بھی یاد ہے برسوں پہلے کی
اس آخری ملاقات کا منظر

وہ کہتا !

ذہن و دل پہ نقش ہے اب تک

ان اجلی آیات منظر

میں کہتی !

وہ کون تھا جس نے ہمیں برباد کیا نا شاد کیا

وہ کہتا !

بھول جاؤ گزرے ہوئے اُن تلخ لمحات کا منظر

میں کہتی !

تم بھی بے قرار سے لگتے ہو!

کس غم میں گُھلتے رہتے ہو

وہ کہتا !

آنکھوں میں رہتا ہے اب تک

اک اجڑی ہوئی بارات کا منظر

میں کہتی !

کس دیس گئے، کیوں چاند بنے میری عید کا

وہ کہتا !

کیوں نقش ہوا تم پہ اب تک

پہلے پیار کی برسات کا منظر

میں کہتی !

کیا بھر جائیں گے کبھی یہ زخم جدائی کے

یہ ظلم تجھ ہر جائی کے

وہ کہتا !

بدلتا رہتا ہے پل پل میں

سبھی کے درجات کا منظر

وہ کہتا !

آؤ ہاتھ ملائیں، وقت جدائی آ پہنچا ہے

بچھڑنا ہے پھر سے، حکم خدائی آ پہنچا ہے

میں کہتی !

تجھ سے ہی تھا قائم میری حیات کا منظر

اب نہ بھولوں گی میں اپنی موت کی مدارات کا منظر

رہے گا قائم یہ موت وحیات کا منظر

کب دل اس کی بات مانے گا؟

وہ کہتا !
کیا رکھا ہے یادوں کے جھروکوں میں
تلخیاں ہی تلخیاں ہیں ماضی کے دریچوں میں
چلو چھوڑیں نادانیاں عقل سے کام لیں
آؤ ! زمانے کا ساتھ دیں، خوشی کا ہاتھ تھام لیں
آؤ !
دکھ کے اندھیروں سے پہلے پَرے
اپنی سحر سویرا کر لیں
ہے جہاں جہاں روشنی
اپنی آنکھیں خیرہ کر لیں

یہ درد دل اور وفاؤں کی باتیں
بہت پرانی باتیں ہیں
کیا رکھا ہے ان باتوں میں
بس یہ درد کی سوغاتیں ہیں
آؤ ہنستے ہنستے بچھڑ جائیں
مری جاں میرا کہنا مان لو
اب زہرِ جدائی پینا ہے
ذہن و دل سے جان لو
وفا کی ڈگر پہ چلتے چلتے تم بھی تھک ہی جاؤ گی
صدیوں پرانی ریت پریت کب تک تم نبھاؤ گی
جب میں ہی نہیں ہوں ساتھ تیرے
پھر کس کو تم بلاؤ گی
کیسی وفا ہے جس کو تم آزماؤ گی
تھک ہار کے مری جاں
تم بھی زمانے کی ہو جاؤ گی
دیتے دیتے یونہی صدائیں
آخر لوٹ جاؤ گی
اک عمر گزری ، صدیاں بیتیں

مگر آج بھی یہی سوچتی ہوں میں
آخر کب وہ دن آئے گا
اُس کی طرح ، میرا دل بھی
عقل کو اپنائے گا
اس کی باتوں کو مان کر
اُسی کو بھول جائے گا
ہاں اسی کو بھول جائے گا

محبت کا چاند گرہن!

ماں کہتی تھی
میری ننھی سی گڑیا
آج باہر نہ نکل
کیا تجھ کو معلوم نہیں
آج سورج گرہن ہے
روایت کہتی ہے
سورج گرہن ہو تو
دیکھنے سے آنکھیں بینائی کھو دیتی ہیں
چہرے مرجھا جاتے ہیں
ان پہ زردی چھا جاتی ہے

مہکتے تن و من کُملا جاتے ہیں
پھول اوڑھ لیتے ہیں زرد رتوں کا پیرہن
بہاریں خزاں میں ڈھل جاتی ہیں
یہاں تک کے سمندر کے بھنور
اور زمین کے مدو جزر بھی بدل جاتے ہیں
مری گڑیا
تو باہر نہ نکل
کہ تیری غزالی آنکھوں اور روپہلے چہرے کو
کہیں چاٹ نہ لے یہ سورج گرہن
مگر آج ماں کو بتائے کون
اس کی گڑیا کو
جسے زرد کر نہ سکا سورج گرہن
اسے ڈَس گیا محبت کا چاند گرہن

اک خیال

اے میرے بے چین و بے قرار دل
کیا تجھے معلوم ہے
اسکا بھی کوئی پل ایسا گزرتا ہوگا
جیسے تو نے اسے پل پل سوچا
اس نے بھی تجھ کو سوچا ہوگا
جیسے یادیں ڈستی ہیں تجھے
وہ بھی تو یاد کرتا ہوگا
جب کوئی خوشی اسے ملتی ہوگی
تیری طرح کسی کی یاد میں
اسکی آنکھ کا کونہ بھی بھیگتا ہوگا

جب دنیا کے درد اسے ستاتے ہوں گے
وہ تیرے خیالوں میں پناہ لیتا ہوگا
اور تیری تسلیاں سوچ کر
من ہی من میں مسکراتا ہوگا
اے میرے بے چین و بے قرار دل
کیا واقعی ایسا ہوتا ہوگا؟

تجھ بن

تجھ بن میری حیات میں نہ چاند ہے نہ رات ہے
میں منزلوں کی گرد سفر ، یہی میری اوقات ہے

نہ اجڑ سکی ، نہ سنور سکی ، میری زندگی بکھر گئی
دکھ ہی سدا حبیب رہے، غم و حسرت میری بارات ہے

میں پھول تھی ، میں خار تھی مجھے کچھ بھی اب تو یاد نہیں
صدیوں پہ جو محیط ہے وہ لمحہ مری کائنات ہے

گونجتی ہیں اپنی ہی آہٹیں اور خود سے ہمکلام ہوں
تیری یادوں سے سجی سجناں اب تک مری حیات ہے

اے صبحدم، سنہری دھوپ، تیرگی شب گواہ رہنا
ہےاس کا پیارمری زندگی ، وہی انجام وہی شروعات ہے

وقت مرگ

وقت مرگ کلمہ کے بعد جس کا نام یاد آیا
وہ شخص کس قدر غیر اور نکلا پرایا

میرے دکھ پہ تو غیروں کے بھی آنسو نکلے
تھی جس سے آس اس نے لحد کا راستہ بتایا

اے پاک خدا محبت کے نام لیوا نہ رکھنا
تیری دنیا کے لوگوں نے اسے کاروبار بنایا

رُدالی

میں ردالی !

اپنے ہی غموں پہ رونے والی !

اک ردالی !

گردش دوراں نبھاتی ہے

اوروں کا غم اپنا غم بناتی ہے

خود کو یوں روتا دکھاتی ہے

اک ردالی !

اپنی ہی آہوں سے اپنا دامن بھرتی ہے

اپنے غم کی چنری اپنے سر پر رکھتی ہے

دکھ کی محفل سجاتی ہے، پہروں آنسو

بہاتی ہے

سوچتی ہوں !

میں کیسی ردالی

اپنے غم کی محفل سجانے والی

یا اوروں کا دُکھ بٹانے والی

دوسری عورت

وہ جو اک خواب تھی
پہلو بہ پہلو ثواب تھی
کیوں اپنی ذات کی اذیت بن گئی
اپنی ہستی کھو کر وقت کی صورت بن گئی
وہ کیوں دوسری عورت بن گئی
اب یہ عالم ہے کہ اُسکی زیست
اک درد کے سوا کچھ بھی نہیں
کسی منزل کی مسافت میں
راہ کی گرد کے سوا کچھ بھی نہیں
اب اسکی آنکھوں میں

زرد رتوں سے سجا ایک گھنا جنگل ہے
تار تار ہوا اسکا وہ سرمئی آنچل ہے
گھنگھور اندھیروں میں بٹا اسکا کاجل ہے
وہ اک لامحدود سے صحرا میں
بن برسی گھٹا ہوگئی
انمول تھی، بہت انمول تھی
بے قیمت بے مول ہوگئی
وفاؤں کی تلاش میں
خود اپنی سزا ہوگئی
بدنصیبی کچھ ایسے مقدر بنی
وہ جو منزل تھی
راہوں کی دھول ہوگئی

محبت ایک لمحہ حقیقت

جب شب کی اندھیر نگری میں
تیرے لیے ہاتھ اٹھیں
دل سے کوئی دعا نکلے
لب پہ کوئی سدا مچلے
تو ان وفور لمحوں کی کوئی تو حقیقت ہو گی
یادوں کی ویران بستی میں
تیری محبت کے قفس میں
میری روح ابھی تک قید ہے
اور شام کا سورج ڈھلتے ہی
اس قید میں یوں بھٹکتی ہے
لمحہ لمحہ کو زیست میری

یوں تیرے قرب کو ترستی ہے
محبتوں کی تلاش میں

ریزہ ریزہ یہ وجود میرا
اور خالی ہاتھ کی لکیروں میں مری نگاہیں
تیرے ، ہاں صرف تیرے
تصور کو تلاشیں تو
مجھ کو تجھ سے کوئی تو نسبت ہو گی
ان اُداس لمحوں کی
آخر کوئی تو حقیقت ہو گی
مجھ کو تجھ سے محبت ہو گی

عشق رقص

اک لمبی کالی رات تھی
اور اس رات کے ماتھے پر
تاروں کی افشاں جگمگا رہی تھی
اور اس افشاں کے درمیاں
چاند ایسے ضوفشاں تھا کہ
اس کی چاندنی اک سیلاب بن کر
پیڑوں، گھنے جنگلوں، سمندروں اور دریاؤں سے
گزر کر دریچوں اور فصیلوں میں چھپے کئی راز اگل رہی تھی
اور اس نصف گزرتی شب کے کسی پہر میں
چاندنی میں نہایا اک حسین تاج محل

جس کے اجلے مہکتے دریچوں کے درمیاں
اک ننھی سی گڑیا
اک ننھا سا پیکر
کچھ اسطرح سے دائروں میں
محوِ رقصاں تھا کہ جیسے
تاروں کی کہکشاں کے اس جھرمٹ میں کہیں
اپنے چاند کو ڈھونڈتا ہو
(جو شاید کہیں دور دیس میں بس گیا ہو)
اس کی گلابی رنگت
رگوں کی نیلاہٹ میں بدل گئی تھی
اور معصومیت کے بدلے چہرے پہ زمانے کا تناؤ
دکھا رہا تھا دل کی خراشیں اور روح کے گھاؤ
اور اس کے تن پر سجے گہنے تھے کہ لگتے تھے
دہکتے ہوئے انگار
اور آنکھوں کی پتلیوں میں ٹھہرا تھا جانے کس مسیحا کا انتظار
اور ٹوٹتے ہوئے سے لگتے تھے اس کی سانسوں کے تار
اور گھنگھروؤں نے ناگ کی صورت اس کے پاؤں
جکڑے ہوئے تھے

اوران کی چھنن سے عجب دلخراش چیخوں کا
گماں ہو رہا تھا
اوراس کے خشک ہونٹوں پر
جہاں صدیوں سے صحراؤں کی پیاس
رقصاں تھی
تھرتھراتے ادھورے جملوں سے
ہو رہا تھا روح کے گھاؤ پہ آہ وفغاں ہو رہا تھا
تھرتھراتے ان ادھورے جملوں میں
ہو رہا تھا اس کی زندگی کا بیاں
چھپی تھی عشق لاحاصل کی داستاں
" زندگی اس مہرباں کے سوا کچھ بھی نہیں
عشق ایک امتحان کے سوا کچھ بھی نہیں "

مجھے فرائض محبت سے آزاد کردے

(اللہ سے)

میں حاضر ہوں
مرے مالک ، مرے خالق
سربسجود ہوں معبود مرے
اپنے سجدہ ریز کو آج شاد کردے
مرا دل اپنی معبودیت سے آباد کردے
دنیا کی محبت سے مجھکو آزاد کردے
مانا کہ !
محبت ہے زندگی ، رہبر ہے ، یقیں ہے
روشنی ہے ، نغمگی ہے

مگر میں جس چاہت میں سرگرداں رہی ہوں
وہ احساس زیاں ہے ، خلش ہے ، کم مائیگی ہے
مرے مہرباں ، مرے ہمدرد ، میرے غمگسار
بس تو ہی میرا اپنا ہے ، میرا سچا غم خوار
گرچہ پارسائی کا مجھکو دعویٰ نہیں
مگر جھوٹی محبت کا مجھکو یارا نہیں
تو جانتا ہے کہ !
دل کے زخم تو رستے ہیں سبھی
مرہم کیلئے مگر وفا کو بیچا نہیں
لمحوں کی خوشی کے بدلے اپنی روح کا مان کیا
میں نے وفا پہ اے یزداں خود کو قربان کیا
اے بارگاہِ ایزدی !
اے میرے مہربان خدا !
مجھے پھر سے مرے وہی دن دلا دے
گئے دنوں کا پھر مجھ کو حوصلہ دے
آج جو اپنی ذات میں میں ٹوٹ رہی ہوں
زیست کی تلخ سچائیوں سے روٹھ رہی ہوں
آج کیسے جذبوں میں بہکنے لگی ہوں

کیوں اندھیاروں میں بھٹکنے لگی ہوں
پھر سے مجھے وہ دل کی روشنی دکھا دے
ٹوٹے ہوئے میرے دل کو پھر آسرا دے
مجھے ایسی محبت سے لینا ہے کیا
مجھے ایسی محبت نہیں چاہیے
جس میں محبوب عشق کو رسوا کرے
اور نفس سچے جذبوں سے کھیلا کرے
جس میں روح منتشر ہو اور
خاموشی بولا کرے
دکھ ، بے بسی ، اور صبر رویا کرے
جس میں کم مائیگی کا احساس رقصاں کرے
اور گھٹن زیست کی موت بن جایا کرے
جس میں بے وفائی ، وفا کو مسلا کرے
مجھے ایسی محبت نہیں چاہیے
محبوب سے کم مائیگی ، رسوائی نہیں چاہیے
دل کو اور دکھوں سے شناسائی نہیں چاہیے
مجھے محبت کے فرائض سے لینا ہے کیا
وفاؤں پہ موقوف کب یہ دنیا ہوئی

حرص و ہوس اب اس میں شامل ہوئی
بے حسی ، درد ہجر کا حاصل ہوئی
اب تو بکتے ہیں محبوب بازاروں میں
بس محرومیاں ہیں وفا کی راہگزاروں میں
مجھے فرائض محبت اب نبھانا نہیں
بے حقیقت ، درد ہجر سے دل لگانا نہیں
مجھے طفل تسلی نہیں چاہیے
جھوٹے خوابوں سے دوستی نہیں چاہیے
اب کسی خوشی کی رفاقت نہیں چاہیے
اُداسی یوں میرا مقدر ہوئی
اور وفا میری یوں در بدر ہوئی
میں جیتی سکون سے سب لمحے زیست کے
فریب ملتے نہ اگر جھوٹی پریت کے
اداس شاموں میں جس کے نغمے گنگنائے
ویراں راتوں میں جس کی یادوں کے دیپ جلائے
رہا وہی آشنا میرے غموں کا نامہ بر
اپنی منزل کی بناتا رہا مجھے گرد سفر
مجھے ایسی خوشی نہیں چاہیے

اپنی آنکھوں میں رقصاں بے بسی نہیں چاہیے
مجھے فرائض محبت سے کچھ بھی لینا نہیں
مجھے فرائض محبت سے آزاد کر دے
بے آباد دل کو آباد کر دے
مجھے اپنی محبت سے شاد کر دے
صرف اپنی محبت سے شاد کر دے

تم سچ کہتے ہو

سب بھلا دینا ہے بہتر
سب مٹا دینا ہے اچھا
وہ سب عہد رفتہ کے وعدے
وہ سب عہد گزشتہ کی باتیں
وہ ہنستے کھیلتے دن سارے
وہ خواب بنتی سب راتیں
وہ خوشبو کا جھونکا سا حسین لمحے
وہ موسم وصل کی جھلملاتی ساعتیں
وہ غم خوار لہجوں کے خزانے
وہ وہ خوشگوار لمحوں کے زمانے
وہ سب بیتے دنوں کا ہیں اثاثہ

سب بے تعبیر خوابوں کی دستک ہیں
اجنبی اجنبی تھیں راہیں کل بھی
اجنبی ہیں ہم اب بھی
چلو اب کہنا تمہارا مانیں
اب ہجر کو اپنا اثاثہ جانیں
اب شہہ آگ میں محرومیوں کا نشتر بوئیں
اب تنہائی کے پہلو میں
جاناں کوئی خواب نہیں ، بس درد پروئیں
اب ریشم جیسے رشتوں کا دامن چھوڑیں
اجنبیت کی رسم وراہ بوئیں
وہ چمکتے خواب کسی کہسار میں دفنا آئیں
وہ کرنوں سا احساس
اب موت کی آغوش میں لپٹا آئیں
چلو خود کو اب کہیں بھلا آئیں
زیست کے باقی لمحے
بے احساس کہیں بِتا آئیں
چلو کچھ اور شکوؤں سے پیشتر
اب بھلا دینا ہے بہتر

اِک اور دسمبر گزر گیا

پھر دسمبر گزر گیا
پھر ہاتھوں کی ریکھاؤں میں
اک اور لکیر سج گئی
پھر اک شام اذیت اوڑھے
دھندلی رنگت آسمان پہ سجائے
کسی بے بس کا تاریک مقدر بن گئی
شگوفوں نے برف کی چادر پہنی
خزاں ان کا ثمر بن گئی
خوابوں نے کُہر تہہ در تہہ لپیٹی
روح کی تھکن کچھ اور بڑھ گئی

تیری یادوں کے سرد صحرا کو تھامے
اِک اور شام دھند بن گئی
پھر شام وسحر کا معمول آنکھ کی نمی بن گئی
پھر اک اور برس کتنے پھول سمیٹے
سرد رت میں بدل جائیگا
پھر دسمبر کتنی صدیاں اپنے دامن میں
اک قصہ ناتمام کی صورت لپیٹے
گزرنے لگا ہے ، سو گزر جائیگا
ہاں پھر اک اور
دسمبر گزر جائیگا

دلِ بے خبر

دل بے خبر
تجھے کیا خبر ، دلِ بے خبر
دل و جان کے رشتے تھے کتنے معتبر
جو چلا گیا ہے وہ چھوڑ کر
نہیں اب کوئی تیرا چارہ گر
دلِ بے خبر ، دلِ بے خبر
تیری منزلیں تو کوئی اور تھیں
تیری حسرتیں تھیں شاید نا معتبر
تو زمین کا کوئی خواب تھا
اسکے سامنے تھا روشن آسماں

تبھی تو بنتا رہا ہے گردِ سفر

دل بے خبر

تھا اندھیروں میں چھپا تیرا آشیاں

چاند تارے تھے اسکے شریک سفر

پھر کیسے لوٹ کے لیتا وہ تیری خبر

دلِ بے خبر ، نہیں تجھے کوئی خبر

اب ڈھونڈ نہ اسے دربدر

وہ نہیں رہا اب تیرا چارہ گر

دلِ بے خبر ، دل بے خبر

مرے دل کی بنجر زمین کا خدا ہوا مہمان

میں نے کہا! محبوب میرے
میں تجھ سے محبت کرتی ہوں
میں تیرے لیے ہی جیتی ہوں
اور تیرے لیے ہی مرتی ہوں
وہ بولا! یہ سب کہنا تو
مدت سے تمہاری عادت ہے
اس میں بھلا کب کوئی حقیقت ہے
میں نے کہا !
اے جان سنو
میری آنکھیں ہر ایک پل
دیکھو راہ تمہاری تکتی ہیں
خوابوں میں سلگتی رہتی ہیں
کبھی روتی ہیں ، کبھی ہنستی ہیں

اس نے کہا !

یہ سب تو جھوٹ ہے بس

یہ آنکھیں روز بھٹکتی ہیں

یہ تو منظر روز بدلتی ہیں

میں نے کہا !

میرے لب تو بس

تیری بات پہ ہی مسکاتے ہیں

جینے کا ڈھنگ سکھاتے ہیں

اس نے کہا !

مسکان تیری کتنے ہی دل بہکاتی ہے

کس کس کو یہ تڑپاتی ہے

میں نے کہا !

میں نے تیرے لیے

امید کے کتنے دیپ جلائے ہیں

تو دیکھ ذرا اس جیون کو تیرے ہی

رنگ سکھائے ہیں

تیرے نام کی مالا جپتی ہوں

تیری آہٹ کو میں ترستی ہوں

اس نے کہا !

قسمیں وعدے سب اگلے دور کی باتیں ہیں

سب قصے ہیں ، سب گھاتیں ہیں

یہاں جیت نہیں ہے سب ماتیں ہیں

میں نے کہا !

محبوب مرے اب یوں نہ آزماؤ

اس طرح نہ مجھے یوں مت ٹھکراؤ

بے شک میرے خوابوں کو تعبیر نہ دو

پَر یوں دکھوں کی جاگیر نہ دو

میری تقدیر کو غم کی تدبیر نہ دو

اس نے دیکھا نہ اور خاموشی سے پلٹ گیا

میرے بے بس کانپتے ہاتھوں کو یوں جھٹک گیا

جیسے راہ سے کوئی بھٹک گیا

اس نے ایک نہ سنی میری

اور دنیا کے رنگ میں ڈھل گیا

موسموں کا رنگ بدل گیا

اس تنہائی کے جنگل میں

اب کس سے بھلا میں فریاد کرتی

اس دل کی ویرانی میں کون سا دکھ آباد کرتی

انہی اشکوں میں ، انہی آہوں میں

میں اپنی صبح سے شام کرتی

انھیں سسکیوں میں ، انہی سجدوں میں

کہیں ایک سکون کا لمحہ تھا

ایک خاموش صدا

اور ایک معطر لہجہ تھا

میرے درد کو جس نے دوا کیا

مجھے غم سے جس نے رہا کیا

میرے دل کی بنجر دھرتی پر

مرے رب نے احسان کیا

ہر مشکل کو آسان کیا

ہر منزل کو آسان کیا

اب اس دل کے گھر میں

کوئی اور مہمان نہیں

رب نے خود کو مہربان کیا

خود کو میرے بنجر دل کا مہمان کیا

اب رب کو میں نے مہمان کیا

غزل

کون سے دکھ کا بوجھ اٹھائے پھرتی ہوں
کیوں میں خود سے آنکھ چرائے پھرتی ہوں

وہ آواز، وہ لہجہ اسکے خال و خد
کس کی یاد میں من مہکائے پھرتی ہوں

جو مجھ کو پہچان نہ پایا آج تلک
دل میں اسکی یاد بسائے پھرتی ہوں

جن راہوں پر دیکھے تھے قدموں کے نشاں
دیدہ دل میں ان پہ بچھائے پھرتی ہوں

عشق کا روگ بھی روگ ہے عجیب سا ہوتا ہے
صحرا کو گلزار بنائے پھرتی ہوں

تیری یاد ہی سرمایہ ہے اس جیون کا
آنکھ میں تیرے عکس کو سجائے پھرتی ہوں

من مندر میں پردہ نشیں ہے جانے کون
جس کے جوگ میں خود کو بھلائے پھرتی ہوں

شاہین اس سے روشن میری روح بھی ہے
میں جو ایک چراغ جلائے پھرتی ہوں

غزل

کیسے دکھ درد ، دل و جاں میں چھپا لائے ہیں
دشت الفت سے ترے گرد اٹھا لائے ہیں

ڈھونڈتے پھرتے ہیں ہم ذات کی الجھی راہیں
اپنا انداز زمانے سے جدا لائے ہیں

کرچیوں کی ہے چبھن دل میں ، تھکن لہجے میں
پھر بھی ہونٹوں پہ ہم مسکان سجا لائے ہیں

یہ الاؤ سا بھڑکتا ہے ہمارے دل میں
وقت کی آگ میں ہم خود کو جلا لائے ہیں

شبِ فرقت کے ستارے یہ گواہی دیں گے
ہم دل و جاں میں کئی روگ بسا لائے ہیں

پھول کھلتے رہیں شاہین ترے آنگن میں
ہم تہی دست بس یہی دعا لائے ہیں

غزل

کس کیلئے رہی محو انتظار برسوں
کیوں زیست رہی مری سوگوار برسوں

کوئی لمحہ بھی وصل کا روشن نہیں ملا
پھر آتش ہجر جلی کیوں باربار برسوں

فاصلے وہ دل کے کم نہ ہوئے کبھی
ہجوم درد میں کب ہوا کوئی غم خوار برسوں

زخم کھا کے بھی مسکرانے کی عادت نہ گئی
تیرے خیال کی زندگی رہی طلبگار برسوں

شاید اسے عزیز تھیں آنکھیں مری بہت
اسی لیے کرتا رہا انہیں اشکبار برسوں

دشت جنوں کی مسافت میں بھید یہ کھلا
وفا ہوتی ہے رسوا سر بازار برسوں

دریچہ کھلا رہا تیری یاد کا سدا
اجڑ رہا مرے دل کا دیار برسوں

غزل

آنسو تھے رواں آنکھ میں طغیان کی صورت
ہر صبح کا منظر تھا گریبان کی صورت

تھیں شہر نگاراں کی ہوائیں مری دمساز
لگتے تھے درو بام دل و جان کی صورت

جتنی مری یادیں ہیں تیرے نام سے منسوب
رہتی ہیں مرے ساتھ وہ درمان کی صورت

اجڑے ہیں کچھ ایسے کہ کوئی برگ نہیں پاس
ہوتے تھے کبھی ہم بھی گلستان کی صورت

ملنا تھا صلہ مری وفاؤں کا یہی کیا
آنکھیں ہوئی ویران بیابان کی صورت

باقی نہ رہا قرض کوئی خستہ تنوں پر
ہر ایک ستم ہے ترا احسان کی صورت

معلوم بھی ہے تجھ کو کوئی سوختہ ساماں
آئے ہیں مرے شہر میں مہمان کی صورت

شاہین گزرتے تھے کبھی ہم بھی ادھر سے
لگتی تھی فضا جنتِ رضوان کی صورت

غزل

دردِ دل بانٹ کے خوشیوں کی دعا دیتا ہے
کیا مسیحا ہے ہمیں کیسی دوا دیتا ہے

ہم نے دیکھے ہیں رہ عشق میں خطرات بہت
کون دیوانہ ہمیں درسِ وفا دیتا ہے

عمر بھر غیر رہا، پل کو بھی اپنا نہ ہوا
اے خدا! غیر کو کیوں دل میں جگہ دیتا ہے

آدمی ایک ہی لمحے کی مسرت کیلئے
جانے کیوں عمر کا کردار گنوا دیتا ہے

موم کر دیتا ہے شاہین یہ پتھر دل کو
عشق انسان کو معبود بنا دیتا ہے

غزل

آفاق میں کرن کی طرح جھلملائیں ہم
او رشام کو شفق میں کہیں ڈوب جائیں ہم

اس شہر بے چراغ میں خالی نہ جائیں ہم
اپنے اپنے حصے کی مشعل جلائیں ہم

آ ، اے شب فراق ! ہمیں خود ہی تو بتا
آنچل میں بہتے اشک اب کو کیسے چھپائیں ہم

کیسے دکھوں کے ساتھ رہا ہم کو واسطہ
معصوم دل کو قصہ ماضی سنائیں ہم

چھیڑیں گے اس کی مشکبو باتوں کا تذکرہ
مخمور ساعتوں کے حسیں گیت گائیں ہم

تنہائیوں میں چھیڑ کر تار رباب شوق
صحرا میں آج جشن مسرت منائیں ہم

غزل

وہ شہر خواب و خیال مجھ کو بلا رہا ہے
نئی فضائیں ، نئے مناظر دکھا رہا ہے

میں اپنے اشکوں سے دھو رہی ہوں گلاب چہرہ
خیال اس چمن چمن گل کھلا رہا ہے

میں اپنے آنگن کو دے رہی ہوں نئے اجالے
وہ میری راہوں میں پھول کلیاں بچھا رہا ہے

میں اپنی آنکھوں میں اسکے سپنے سجا رہی ہوں
وہ میرے خوابوں میں اپنی محفل سجا رہا ہے

میں اسکی یادوں سے اپنا دامن بچا رہی ہوں
وہ میرے دل میں نئے سرے سے سما رہا ہے

میں شام غربت میں ٹمٹماتا دیا ہوں شاہین
وہ تیز جھونکوں کے ساتھ مجھ کو بجھا رہا ہے

غزل

غم نہیں ہم کو خوشی مار گئی
حسن کی جلوہ گری مار گئی

کیا کریں اہل زمانہ کا گلہ
آپ کی زندہ دلی مار گئی

ہم کو دنیا کا ستم یاد نہیں
اپنی آشفتہ سری مار گئی

ہم نہ تھے اتنے پریشان کبھی
ہم کو یہ چارہ گری مار گئی

اتنے خاموش نہ تھے شاہین
ہم کو درماندہ دلی مار گئی

غزل

طوق جنوں بہار نے پہنا دیا مجھے
کن جنگلوں میں عشق نے بھٹکا دیا مجھے

مجھ کو کسی حبیب سے کوئی گلہ نہیں
اپنے توہمات نے الجھا دیا مجھے

آنکھیں لہو لہو ہیں ، شکستہ تمام خواب
شام فراق نے عجب تحفہ دیا مجھے

کرتی میں کس کے نام یہ سرمایہ ہنر
ہر مہرباں نے زخم دل تازہ دیا مجھے

دشت وفا کی آبلہ پائی نہ پوچھئے
ہر خارِ نوکدار نے زخما دیا مجھے

غزل

شہر خموش نے دی ہے جگہ میری ذات کو
لیکن جہاں سمجھ نہ سکا میری بات کو

پھیلی ہوئی تھی شہر میں ہر سمت چاندنی
بس آنسوؤں کے دیپ ملے مری رات کو

تازہ ہیں ذہن میں تری یادوں کے سب نقوش
آ دیکھ تو سہی تو میری کائنات کو

شاہین چھوڑ کے میں جہاں کی یہ رونقیں
تزئین دے رہی ہوں اب اپنی حیات کو

غزل

جب چراغوں کی طرح دل کو جلاتی ہوں میں
خود ہی جلتی ہوں کبھی خود کو بجھاتی ہوں میں

جانتی ہوں کہ پڑے گا انہیں لوٹانا بھی
مانگ کے خواب مگر ، گھر تو بناتی ہوں میں

لکھتی رہتی ہوں مگر لفظ نہیں بنتے ہیں
خود کو کیوں زیرو زبر میں الجھاتی ہوں میں

کس لیے گرد سفر بنتی رہی منزل کی
بس یہی سوچ کے اب خود کو رلاتی ہوں میں

وہ جو مانوس سی آہٹ ہے سنائی دے گی
اسی امید پہ اب خود کو جگاتی ہوں میں

قافلے خواب کے پلکوں پہ جب آجائیں تو
لوریاں خود کو بھی دیتی ،سلاتی ہوں میں

جانتی ہوں کہ بجھانا ہے ہوا نے اس کو
تو پھر چراغ وفا کس لیے جلاتی ہوں میں

غزل

کھو کے گردش میں ہم داستاں ہو گئے
ایک ہی پل میں بس نوحہ خواں ہو گئے

وہ بھی کیا لوگ تھے ، جو کہ تنہا بھی تھے
اوڑھ کر یاد بستا جہاں ہو گئے

بند آنکھوں میں جگنو تھے امید کی
وہ بھی رستوں میں بجھتا دھواں ہو گئے

جستجو نے بنایا ہے گرد سفر ہمیں
خود کو ڈھونڈا تو ہم بے نشاں ہو گئے

لَو سی دینے لگی دکھ کی تازہ ہوا
شام فرقت میں غم بے کراں ہو گئے

جس کے غم سینچ کر پالے آغوش میں
اس کی نظروں میں ہم رائیگاں ہو گئے

غزل

ابھی سلامت ہے یاد تیری ، چراغ امید جل رہا ہے
تپش سے غم کی وجود میرا ابھی مسلسل پگھل رہا ہے

ابھی ہے دشت تپاں میں سوزاں مری مسافت مری جوانی
ابھی تو میری وفا کے ساگر میں ڈوبتا دل مچل رہا ہے

ابھی تو پینا ہے زندگی کو یہ زہر کا جام آتشیں بھی
کہ ریزہ ریزہ وجود میرا بکھر کے سنبھل رہا ہے

ابھی تو میرے جلو میں یادوں کی ایک دنیا سجی ہوئی ہے
ابھی تو تاروں کا قافلہ بھی مرے برابر میں چل رہا ہے

بدلتے موسم کی حبس میں ہے چھپا ہوا کوئی دست قاتل
بچائیں خود کو اب اس سے کیسے گھڑی گھڑی دم نکل رہا ہے

غزل

دشتِ وحشت میں لیے جاتے ہیں جذبات ہمیں
جانے ہوتی ہے کہاں شام کہاں رات ہمیں

لکھا ہے تیرا نام ہی ہم نے لوح دل پر
کتنی محبوب و معتبر ہوئی ہے تری ذات ہمیں

بند کرتی ہوں کواڑ، پھر بھی آتی ہے آہٹ کیسی
رات بھر کون سناتا ہے یہ نغمات ہمیں

وہ بھی دن تھے کہ نگاہوں میں دھنک رہتی تھی
اب تو گھیرے ہوئے رہتی ہے سیاہ رات ہمیں

سب کے سب سونپ دیئے حرفِ محبت اُس کو
اِس سے بہتر نظر آئی نہیں سو غات ہمیں

دن بدلتے ہی ہر اِک شخص نے چہرہ بدلا
جینے دیتے نہیں اب اپنے خیالات ہمیں

منتظر جس کے لیے چشمِ جہاں ہے شاہین
دے گیا ہے وہی خوابوں سے تہی رات ہمیں

میری نارسائی

عورت ہونے کی سزا

(عالمی یومِ خواتین ڈے پر نشتر آڈیٹوریم ملتان میں)

میں کیسے کروں بیاں اپنی نارسائی
عورت ہونے کی کیا میں نے ہے سزا پائی
میں جو بیٹی بہن اور ماں کا روپ ہوں
جو سچ پوچھو تو گود سے گور تک
ان رشتوں کی ٹھنڈی چھاؤں اور
خود کے لیے کڑی دھوپ ہوں
میرے جنم نے میری ماں کو سوچوں میں اُلجھایا

میرا وجود اُس کے لیے بن کے آیا ایک تاریک سایہ
باپ نے کبھی حقارت سے مجھے ٹھکرایا
اور کبھی بے بسی سے مجھے زندہ دفنا آیا
کبھی وقت نے چھین لی مجھ سے مرے بچپن کی رعنائی
میرے معصوم ننھے ہاتھوں کو
کھلونے کی جگہ روشِ دوراں سکھلائی
میری روشن چمکتی آنکھوں کو
زمانے کی تیرگی دکھلائی
اور چھین لی مجھ سے میری بینائی
کبھی میری تقدیر پر روئی ہے شہنائی
کبھی دنیا کے ناخداؤں نے ڈولی کے نام پر
مجھے قربان کیا
اور کبھی حنا کے نام پہ
میرے خوابوں کو لہولہان کیا
اور کبھی خطا کے نام پہ مجھے سنگسار کیا
کبھی وفا کے نام پہ مجھے میرے ہی محبوب نے شرمسار کیا
میں جو تتلی کی طرح ہوا کے دوش پہ اڑتی
اپنے آنچل میں تاروں کے حسین رنگ بھرتی

مت پوچھ کہ

مجھے دنیا نے کیسے نیلام کیا

ناحق میرے خوابوں کو بدنام کیا

اس جہاں میں میرے کتنے ہی منصف بنائے گئے

فرائض کے سبھی حساب مجھ سے ہی چکائے گئے

جتنے بھی تھے آگہی کے باب مجھ سے چھپائے گئے

شہر کی مقتل میں میرے خواب لٹائے گئے

یوں زندگی موت کے پیرہن میں مرے پاس آئی

احساس کے قاتل لوگوں نے

میری روح کی کرچیوں سے

دنیا کی مقتل سجائی

مت پوچھ مجھ سے میری نارسائی

ایک عورت ہونے کی کیا میں نے ہے سزا پائی

دیے کی لَو

میں تھک گئی ہوں
میں تھک گئی ہوں
تیری یادوں سے لڑتے لڑتے
اپنی آنکھوں کی روز
تیرے غم سے آبیاری کرتے کرتے
میں تھک گئی ہوں
بہت تھک گئی ہوں
یوں سرِ شام
اِک دیئے کی لَو بنتے بنتے
جو تیری یادوں سے جل رہا ہے

اُس لمحے کی آرزو کرتے کرتے
جس میں تیرے لہجے کی صدائیں ہیں
جو سجاتی ہوں میں شب کی تنہائی میں
اُس محفلِ جاناں میں سب درد کی ردائیں ہیں
اے دردِ یار
اے غمِ ہجراں
اپنے شام وسحر تیرے نام کرتے کرتے
اپنے ہاتھوں کی لکیروں میں تجھے تکتے تکتے
اور اپنے ماتھے پہ تُجھ کو مقدر لکھتے لکھتے
شبِ ہجراں کا چراغ بنتے بنتے
میں تھک گئی ہوں
بہت تھک گئی ہوں

خود میرا معبود بن

مرے خدا ، مرے محسن ، مرے تخلیق کار

تیری دنیا کے مکینوں نے

نفرت کے، حقارت کے جو داغ

میرے ماتھے پہ سجائے ھیں۔

اُن کو تو ہی مٹا۔

اے میرے غمگسار

محبت کے روشن چراغ جلا

اے مرے غم خوار

اس لمحے میں جب کہ میں

تیری بارگاہ میں سجدہ ریز ہوں

اور مری آنکھوں سے تیرے پیار کا دریا بہتا ھو
تو میرے حبیب، میرے پاک خدا
ایسے میرے اپنے اور صرف میرے لمحوں میں
اُس لمحے کی یاد نہ سجا۔ جسے میں کھو آئی،
اس بے قدر دنیا میں سارے جذبے کہیں پرُو آئی
اپنی مدفن پہ خود ہی میں رو آئی
ایسے میرے اپنے اور روشن لمحوں میں
تو غیروں کے نقش نہ بنا
خود ہی میرا معبود بن
انسانوں کو مرا معبود نہ بنا
اے میرے پاک خدا
سن اپنے کائنات کے ذرے کی التجا

اب کوئی نہیں

اے موجِ صبا اسے کہنا
اب کوئی نہیں
جو اس کی راہ تکتا ہو
اب کوئی نہیں
جو خونِ دل سے دیواروں پہ اسکا نام لکھے
جو مہکتی فضاؤں میں اس کو چاہتوں کے پیغام لکھے
اپنی زیست کے صبح وشام اسکے نام لکھے
اب کوئی نہیں
جو ڈھلتے سورج کی شفق میں اس کو ڈھونڈے
اور چاندنی راتوں میں چاند سے اس کی باتیں
کرتا ھو
اب کوئی نہیں
جو چڑھتے سورج کی کرنوں میں

اس کی آس لگائے بیٹھا ہو

اے موجِ صبا

اسے کہنا کہ

وقت نے منظر بدل دیے ہیں

وہ پنچھی جو گیت گاتے تھے اب نہیں رہے

وہ ساتھی جو یاد آتے تھے اب نہیں رہے

وہ پھول جو مسکراتے تھے اب نہیں رہے

اسے کہنا

ہاں اے موج صبا اسے کہنا

وہ شخص بھی اب نہیں رہا

جو اس کے نام کی مالا جپتا تھا

رنگینیوں کے سب منظر اسی کے نام کرتا تھا

خود روتا تھا مگر اسکے لیے ہنسی کی دُعائیں کرتا تھا

وہ شخص بھی بے موت اب

ہجر کی موت مر گیا ہے

مگر چاندنی راتوں کے سبھی منظر

اُسی کے نام کر گیا ہے

سب منظر اُسی کے نام کر گیا ہے

اُمید

بہت مدت سے ہم ہنسنا بھول بیٹھے ہیں
بہت مدت سے ہیں غم کی مہربانیاں
دل ہو اداس تو ہوتے ہیں سبھی منظر اداس
یہ کلیاں، یہ پھول وچمن یہ شادمانیاں
اک روز تو رنگ لائیں گے آنکھ کے آنسو
دور ہوں گی آخر تو یہ دل کی بد گمانیاں

گمنام محبت

جب شام بھی دُھندلی دُھندلی سی ہو
اور رات کی آنکھیں بھیگی بھیگی سی
جب سحر ستارے ٹوٹے ہوں
اور چاند بھی تنہا تنہا ہو
اُس رات کی بھیگی پلکوں میں
کوئی ریت کے ذرے چنتا ھو
اور اُس کے ایک ایک ذرے پر
کسی کے نام کی مالا جپتا ھو
اپنی ہر ایک خواہش کو
نام کسی کے لکھتا ھو
اس راھ روئے محبت کی بے نام محبت کیسی ھے
تنہائی کے آنگن میں پلی
یہ گمنام محبت کیسی ھے

وھی ایک شخص ابھی تک دھیان میں رہتا ھے
روح کی طرح یہ دل بھی امتحان میں رہتا ھے

جلا گئی تیز دھوپ سب رنگ و روپ اُس پھول کے
جو اب تک تناور پیڑ کے سائبان میں رہتا ہے

عید کا چاند

آج بھی برسوں کے بعد اے جاناں
گونجتی ہے مرے کانوں میں تیری صدا
'' میں چاند ہوں ''
میں چاند ہوں تیری عید کا
رنگوں ، خوشبوؤں سے سجی نوید کا
وہ ایک لمحہ تیری صدا کا
اور میری ساکن روح کی سماع کا
کتنی خاموشی سے ہماری روحوں کو شاداب کر رہا تھا
محبت کی تمام تر شدتوں کو ماہتاب کر رہا تھا
دل کی بنجر زمیں کو کھلتا مہکتا گلاب کر رہا تھا

وہی ایک لمحہ میری متاع حیات بن گیا ہے
یادوں کے حسین نقوش سمیٹے مری چاندرات بن گیا ہے
میرے خوابوں کی تعبیر مری تکمیل ذات بن گیا ہے
اُسی ایک لمحے میں کہیں
میری روح آج تک ہے اٹکی
میں رنگوں کے سفر کے پھر قابل نہ ہوسکی
میرے آنگن میں ہنستا ہوا چاند نہ پھر اُترا کبھی
مری بصارتوں پہ نہ پھر کوئی روشنی چمکی
اب میں نے روح کے زخموں کو اپنا کفن کیا
بعد تیرے نہ کبھی چاندنی کو اپنا پیرہن کیا

آزمائشِ عشق کا بوجھ اُٹھا

اے میرے پاک خدا
تو مجھ کو نہ آزما
کیا تجھ کو معلوم نہیں
ہے میری اوقات کیا
وہ تو پیغمبر تھے
جو تیری آزمائش کا بوجھ سہہ سکتے تھے
وہ تو بادشاہ بشر تھے (آدم و حوا)
جو پتھریلے کہساروں میں
دردِ جدائی سہہ سکتے تھے
میدانِ عرفات میں چالیس سال تک

آنکھوں کو لہولہو کر سکتے تھے

میں تو مالک ایک ذرہ ہوں تیری خاک کا

جسے جب چاہے ہوا کہیں سے کہیں رکھ دے

کہاں جگہ ہے میری کہاں کوئی مقام ہے

نہیں ہے صبح کوئی نہ ہی کوئی شام ہے

تجھے واسطہ تیرے محبوب کا

مجھ سے آزمائشِ عشق کا بوجھ اُٹھا

رہنے دے مجھ کو ایک ذرہ ، راکھ کے ڈھیر پہ جما ہوا

مجھے نہ آزما

مجھ سے عشق کا بوجھ اُٹھا

روزی گارڈن کا پھول

ہاں میں بھی تو ہوں اک پھول
روزی گارڈن کے اس پھول کی طرح
جہاں ایک مالی نے آ کر مجھے لگایا
میری آبیاری کی ، اور مجھے کھلنا ہنسنا سکھایا
موسمِ فصلِ بہار میں
مجھ پہ عجب موسمِ بہار آیا
میری پنکھڑی پنکھڑی کھل اٹھی
غنچہ غنچہ مسکرایا
اور اک ایسے ہی موسم بہار میں
دو اجنبی ہاتھوں نے مجھ کو توڑا

اور اپنے دل کے پھولدان میں لگایا
مگر ان کو آتا نہیں تھا
آبیاری کرنا
میرے مالی کی طرح میری غم گساری کرنا
موسم بہار میں مجھ پہ موسم خزاں چھایا
میرے تن کے ساتھ ، میرا من بھی مرجھایا
میرے اجنبی میرے آشنا نے
مجھ کملائے پھول کو گلدان سے اُٹھایا
اپنے پندارِ محبت سے اتار کر
مجھے خاک پہ ڈال آیا
یوں ایک زیست کو دفنا آیا
روزی گارڈن کے پھول کی طرح میں نے بھی
انجام وفا ایسا پایا

لمحہ جدائی لمحہ قیامت

آؤ ذکر کریں ان باتوں کا
کہ
بچھڑنا تو مقدر ہے اپنا
کچھ ذکر کریں اس موسم کا
جب صبح کی روپہلی کرنوں میں
پھول جیسی مہکتی راہوں میں
امرت گھولتی باتوں میں
جب سانسوں کی سرگم بجتی تھی
جب خواب سراب جزیروں میں
دل میں قُرب کی خواہش رہتی تھی
جب تیرے اور میرے ہاتھوں نے ملکر

بس ایک دعا مانگی تھی

آؤ اب ذکر کریں ان باتوں کا
اِن قہر برساتے لمحوں کا
اِن ہجر کی گزری راتوں کا
جب وہ دعا صداقت کھو بیٹھی
ہوا میں کہیں تحلیل ہوئی
ہم مصلحت کوش ہو بیٹھے
اور تیری کہیں تکمیل ہوئی
اب وہ باتیں ، بھولی بسری باتیں ہیں
نَس نَس میں بستی ہے تنہائی
قریہ جاں میں غموں کی سوغاتیں ہیں
تپتی دھوپ کا صحرا ہے
چپ چاپ سلگتی راتیں ہیں
آؤ کے بچھڑنا تو مقدر ٹھہرا ہے
پھر بھی بچھڑنے سے ذرا پہلے
کچھ ذکر ہو اُس بھولی ہوئی شناسائی کا
کہ جو لمحہ ہم پہ قیامت تھا
وہ لمحہ تھا جدائی کا

ڈائری

وہ میرے سارے جذبوں کے عوض
بس ایک ڈائری دے گیا
لکھنا ہے اُس کے حرف حرف کو غزل
مجھے شاعری دے گیا

ہاں، ناں

ایکبار میں نے اس سے پوچھا
یہ ہر سوال پہ جواب ہوتا ہے کیوں
''ہاں'' ''ناں''
دو مختلف لفظ ، دو مختلف مفہوم سجائے
بڑے تفاخر سے جواب آیا
خود کو کسی بھی الزام سے مبّرا کرنے کا سب سے اچھا طریقہ ہے
کہہ دینا ہاں ناں ہر سوال پہ
یعنی ''ہاں'' ''ناں''سے
جو چاہے اپنے اپنے مطلب کا معانی لے لے
اپنی اپنی خواہش کا مفہوم سمجھ لے

سچ ہی تو کہا تھا اُس نے

کہ میں اُس کو ہر الزام سے مبّرا کر دوں

چاہوں تو ہاں سمجھوں

چاہوں تو ناں سمجھوں

اور میں بعد برسوں کے بھی

ذہن و دل کے دریچوں میں

ڈھونڈتی ہوں اپنی چاہت کا مفہوم

کبھی ہاں کی صورت

کبھی ناں کی صورت

وفا تو کیسے جیئے

وفا تو کیسے نبھے
وفا تو کیسے جیئے
تجھے نوچنے کیلئے بھیڑیوں کا غول ہے بہت
تجھے ڈسنے کیلئے سانپوں کی بستی سجی ہے
تجھے مارنے کو دنیا کی مقتل گاہ بنی ہے
تیرا زیست سے کیسے تعلق نبھے
تو پیار کی رِیت بھلا کیسے جیئے
وفا
وفا تو اس دشت میں تنہا اور اکیلی ہے بہت
تیرے آسمان کو لحد کی پہیلی ہے بہت
تیرا جینا تو کچھ اتنا آساں بھی نہیں
وقت تو تجھ پہ کبھی ہوا مہرباں بھی نہیں

کیا ملا محبت سے؟

بول! دیوانے دل
بول!
کیا ملا محبت سے
ہجر کی وحشت سے
اس دُکھ کی شکایت سے
روز کی اذیت سے
دنیا کی نفرت سے
خود کو بھلا دینے سے
خود کو مٹا دینے سے
روح کی تجارت سے
دل کی بغاوت سے
ھاں
کیا ملا تجھے محبت سے

گردِ سفر

میں کون ہوں
کیسا ہے سفر
کیوں بن گئی ہوں گردِ سفر
صدیاں بیتیں چلتے چلتے
نہ منزل کا نشاں
نہ کٹتا ہے سفر
نہ سورج دیکھا
نہ شام ڈھلی
نہ رات ہوئی
نہ نیند ملی

نہ میں جاگی، نہ سو سکی
نہ تھکن ہٹی، نہ سحر ملی
بے بس ہوں کیسی
کیسی یہ ڈگر
کب ہوگی آخر میری سحر
کیسی ہوں مسافر
کیسا ہے سفر
بنتے بنتے گردِ سفر
کٹ ہی گئی آخر یہ عمر

کون کہتا ہے محبت عظیم ہے

یہ کس نے کہ دیا
کہ محبت عظیم ہے
محبت تو بس چند بے ترتیب سے
لفظوں کی ترمیم ہے
محبت جب رگ وپے میں اُتر جائے
اور مانند خنجر دل میں اُتر جائے
تو لہو مانگتی ہے
جب آنکھ کی دھول بن جائے
اور رشتوں کی بھول بن جائے
تو آبرو مانگتی ہے

محبت وہ صحیفہ ہے کہ جسے
گر سمجھ کہ پڑھ لو تو
خوشبو کی طرح
ذہن و دل کے دریچوں میں جھانکے
اور جہاں کسی لفظ پہ رُک جاؤ
تو جستجو مانگتی ہے
بہار کی شگفتگی چھین لیتی ہے جو
اُن خزاں رُتوں کی تحریم ہے
اور معصوم آنکھوں کو جو ملتے ہیں
اِن عذاب خوابوں کی تقسیم ہے
کس نے کہا کہ
محبت بادِ نسیم ہے
یہ تو بس چند لفظوں کی ترمیم ہے
غموں کی تحریم ہے
کون کہتا کہ محبت عظیم ہے

New Year / Birthday

(حسرت)

آج کے دن
لوگوں نے جتنے بھی چاہت کے پیغام
میرے نام لکھے
میں نے اُن کے سبھی سُندر لفظ چُن کر جاناں
تیرے نام سے اپنے نام لکھے
کاتبِ تقدیر سے کی التجا روز وشب
کہ کوئی تو تیرے نام کی شام
میرے نام لکھے
حسین رنگوں کی ساری کومل پتیاں لیکر
جتنے بھی میں نے پھول بنائے
پھر اُن پھولوں کے سارے رنگ جاناں
خیالوں ہی خیالوں میں
میں نے اپنے نام سے تیرے نام لکھے

دس سال

(مکالماتی نظم)

ہیلو!

ہیلو! کیسی ہیں

جواب! جی ٹھیک

سوال!

کبھی یورپ گھومی ہیں

کیا کبھی پیرس دیکھا ہے

ڈزنی لینڈ میں میرا گھر بھی دیکھا ہے

جواب! (خیال)

شاید میں نے تیری آنکھوں سے

یہ سب کچھ دیکھا ہے

سوال! کیا آپ کو نئی گاڑیوں کا پتہ ہے
میری گاڑی کا ماڈل کونسا ہے
جواب! نہیں
اک گھمبیر خاموشی (دل کی سرگوشی)
یہ آج میرے محبوب کا لہجہ ہے کیسا
اس کے دل میں اب محبت کی جگہ ہے پیسہ
گزرے برسوں میں کیوں بدلا ہے ایسا
عجب سانحہ ہے یہ میرے لیے موت کے جیسا
(دل سے سوال)
کیا میرے خوابوں کی تھی تعبیر ایسی
تقدیر نے لکھی تھی میری تحریر ایسی
ذہن و دل پہ نقش تھی یہ تصویر کیسی
تھے اتنے اجنبی تو چاہت کی زنجیر کیسی
محبت کی جگہ دولت ہوئی دل کی جاگیر ایسی
سوال! ارے خاموش کیوں ہیں
کچھ تو بولیں کیا اب بھی سوچتی رہتی ہیں
جواب!
جی شاید کچھ نہیں

(دل میں جواب)

اپنے خوابوں کی ہے میں نے تعبیر دیکھی
گزرے برسوں کی انوکھی تصویر دیکھی

کیا جواب دوں کہ میں تو
ابھی تک یادِ ماضی کے تسلسل میں ہوں
اپنے بھرم میں ہوں خواہشِ وصل میں ہوں

یہ دولت یہ کاروں سے مجھے لینا ہے کیا
پھولوں ستاروں سے بھلا مجھے لینا ہے کیا
جب کھو چکی ہوں میں محبت کا بھرم
اِن کلیوں، بہاروں سے مجھے لینا ہے کیا
اے دوست اے ہمدم یہ سب مبارک ہوں تجھے
شبِ غم میں اِن جھوٹے سہاروں سے مجھے لینا ہے کیا

سوال!
کیوں خاموش ہیں
یقیناً پھر گہری سوچ میں ہوں گی
کیا آپ نے کچھ کہنا نہیں!

جواب!
شاید میرے پاس اب کہنے کو کچھ بھی نہیں

کیا اب معجزے نہیں ہوتے

سنا تھا معجزے تو اب بھی ہوتے ہیں
اب بھی بے بس مقید شہزادیوں کی
منتظر نگاہوں کی پلکوں پہ تیرے موتی
چُننے کو شہزادے اُترتے ہیں
سنا تھا کہ دل کو دل سے راہ ہوتی ہے
جب کوئی بے بسی سے گُھٹتا ہوا دل
اپنے ھمدم کو یاد کر کے رو دے تو
کوسوں دور بسنے والوں کے دل میں بھی
اِک ہوک سی اُٹھتی ہے
اِک یاد کا جگنو ٹمٹماتا ہے

ہنستے ہنستے اُن کی آنکھ بھی
یاد آنے والوں کے درد سے بھر آتی ہے
سُنا تھا ایسے بھی ہوتا ہے
کہ جس کو ہر دعا میں یاد رکھو
اُس کے دل میں بھی بیتے سمے کی کرن چمکتی ہے
کسی گزرے لمحے کی صدا اُٹھتی ہے
اور سنا یہ بھی ہم نے
کہ جب بھی دستِ دعا بلند ہوتے ہیں
تو کسی ہاتھ کے ساتھ ہاتھ ملا کر کی ہوئی
دعا یاد آتی ہے
درد کے لمحوں میں بھی
وہ یاد من مہکاتی ہے
مگر کوئی تو بتائے اب کے
یہ کیسی انہونیاں ہوگئیں
وہ ساری سُنی ان سنی کہاں کھو گئیں
عمر بھر کی دعائیں وہ ساری کیسے رد ہوگئیں
سارے معجزے کیسے قضا ہوگئے
کیوں دل ایسے خفا ہوگئے

کہ بس ایک ہی دل ھمیشہ روتے دیکھا
جسم سے روح کو جدا ہوتے دیکھا
ساری سنی باتیں کیسے جھوٹ ہو گئیں
ساری خدائی کہاں کھو گئی
کیا اب معجزے ہوتے نہیں
یا خدائی کہیں سو گئی

رِدا رو رہی ہے

کہیں خریدار ہیں قربتوں کے
کہیں بازار ہیں وحشتوں کے
کہیں بے بس دعا رو رہی ہے
اور کہیں دور دریچوں میں جھانکتی
بے بس ردا رو رہی ہے

ہاں میں ایک شاعرہ ہوں

یہ سب کیا اس لیے ہے کہ
میں ایک شاعرہ ہوں
زندگی کے ہر ایک لمحہ میں
تجھ کو سوچوں
ہر دکھ سکھ کو تجھ سے منسوب کروں
کوئی خواب دیکھوں تو تجھ کو سوچوں
کوئی رنگِ بہار ، گلاب دیکھوں
تو تجھ کو سوچوں
تنہا سفر کے عذاب دیکھوں
تو تجھ کو سوچوں

میری آنکھوں کی پتلیوں میں جو مر چکے ہیں
وہ سارے رنگِ ماہتاب دیکھوں
تو تجھ کو سوچوں
شام وسحر، روز وشب کے دائروں میں
اپنے کٹھن لمحوں کا حساب دیکھوں
تو تجھ کو سوچوں
ھاں! شاید میری ساری سوچوں کا سبب یہی ہے
کہ میں ایک شاعرہ ہوں
اور کچھ بھی تو نہیں، بس اک شاعرہ ہوں

کب ہم نے تجھے بُھلایا

وقتِ جدائی یہ سوچا تھا
بھولنا، بھول جانا کوئی اتنا مشکل تو نہیں
سوچیں گے تلاشِ منزل میں
سفر کے دوراہے پر
کتنے اجنبی، کتنے ہم سفر مل جاتے ہیں
کچھ چلتے ہیں دو قدم، کچھ بچھڑ جاتے ہیں
سوچیں گے تم بھی تھے اجنبی
اور چلے تھے دو قدم
بھول جائیں گے وہ سارے لمحے
وہ سارے ہجر کے غم

سنتے تھے وقت رکھ دیتا ہے
گہرے زخموں پر بھی مرہم
خوشیوں میں ڈھل جائیں گے
اپنے سب اشک و غم
مسکرائیں گی یہ آنکھیں
جو آج ہیں نم
مگر آج بھی برسوں بعد اے جاناں
جب کہ موسموں نے پیرہن کے کتنے رنگ ہیں بدلے
وقت نے وہ ہجر و وصال کے
ڈھنگ ہیں بدلے
جب بدلنے لگی ہے ہر ایک صورت
جب مٹی ہونے لگی ہر ایک مورت
خاک بھی اب ہم کو بلانے لگی ہے
زیست بھی نام ہمارا مٹانے لگی ہے
تب اتنا ہمیں یاد آیا ہے
وہ لمحہ ہم نے کب بتایا ہے
جب دل نے تجھے بھلایا ہے ؟

اے مصروف یزداں

اے مصروف یزداں
اب چھوڑ کے روشن آسماں
اپنی زمین کے اندھیرے دیکھ ذرا
جہاں کرچیاں ہو رہی ہیں پندار کی
جہاں بے سمت ہونے لگے قافلے نکہت و انوار کے
جہاں بکھرنے لگے ہیں پتے امید کے اشجار کے
آ دیکھ اس سے پہلے کہ
بکھرنے لگیں حوصلے
ٹوٹ جائیں نہ زمین و آسماں کے یہ سلسلے
یقیں کی جگہ کہیں چھا جائے نہ گماں
چھوڑ آسماں ، اے مرے یزداں

چراغ لے کر بھی ڈھونڈو گے گر اے زمانے والے
چلیں گے ہم ساتھ نبھانے والے؟

جہان عشق بھی نہ سمجھا میری داستان وفا
نکلے ہیں سبھی قصہ گو یہ میرے فسانے والے

یہ انا یہ وحشت تو اس کی توقیر نہیں
دشت عشق میں چلتے ہیں خود کو بھلانے والے

دیدارِ کعبہ

اے میرے پاک خدا
آج ہی تو تو نے مجھے مکمل کیا
آج کے دن اس گھر کے دیدار سے
تو نے مجھے خاک سے اٹھا کر آسماں کا ستارہ کیا
سجدہ ریز ہوں آج آنکھوں نے جو نظارہ کیا
آج مجھ کو یہیں سپردِ زمین کر دے
یا کر قبول دعا اپنے شہر کا مکیں کر دے
مجھ کو باندی بنا ، مجھ کو غلام کر
مگر مجھ کو واپس نہ بھیج
اُس ادھورے تڑپتے جہاں میں

جہاں نفرتوں اور منافقتوں کا پہرہ ہے بس
جہاں چہرے کے پیچھے اک اور چہرہ ہے بس
مجھے آج جو تو نے اپنا پیار دیا
میری زندگی کو سولہ سنگھار دیا
میلے من کو مرے تو نے نکھار دیا
اس محبت کے صدقے ! مجھ سے یہ محبت نہ چھین
دنیا کی نفرتوں میں یہ سچی الفت نہ چھین
اپنے محبوب کے صدقے مجھے کر دے اس خاک پاک کا مکین
چاہے اب زندہ رہوں یا مر جاؤں میں
بس تیرے در کا ہی دیدار پاؤں میں

بارش

بارشیں دھو دیتی ہیں
سب پیڑ ، شجر اور پھول
سب دکھ ، درد اور دھول
کھل اُٹھتے ہیں مرجھائے ہوئے من
چمک جاتے ہیں گلابوں کی طرح تن
مگر کچھ ایسے دل بھی ہوا کرتے ہیں
کہ جن پہ زمانے نے دکھ کی چادر کے رنگ
یوں پھیلائے ہوتے ہیں
کہ نہ تو کوئی بادل ، نہ بارش
اس رنگ کو دھو سکتی ہے
اور نہ ہی اس زرد رنگ کی ہو سکتی ہے

کوئی تو لمحہ ایسا ہو

کاش کوئی تو لمحہ ایسا ہو
جس میں تو مجھ کو حاصل ہو
اور تیرے قُرب میں جاناں
میں ہر ایک غم بھول جاؤں
وہ تجھ سے بچھڑ جانے کا غم
تجھ کو نہ پانے کا غم
اپنی ڈولی کو مقتل پہ سجانے کا غم
اپنے جسم و جاں کے مٹ جانے کا غم
یہ عمر گزر جانے کا غم
خاک میں مل جانے کا غم
اپنی مرقد پہ دیا جلانے کا غم
مگر خواہش اتنی ہے جاناں
کہ وہ لمحہ بس آخری ہو

بے وفائی

چلو کچھ اسطرح کریں جاناں
اس دل کا نگر چھوڑ کے تم بھی
کسی اور دل میں بسیرا کرلو
چھوڑ کے یہ سیاہ بخت راتیں
اپنی دنیا میں اب سویرا کرلو
ہم بھی عشق عبادت چھوڑیں
خدا اپنا کوئی اور بنائیں
وفا کے معنی بھول کے جاناں
بے وفائی کا روپ آزمائیں
تیری یادوں کی انجمن کے سارے

دیئے جلانا ہم بھول جائیں
دنیا کے رنگوں سے سجی ہم اپنی دنیا بنائیں
اب عشق عبادت بھول جائیں
چلو کچھ اس طرح کریں جاناں
اب اسطرح کرتے ہیں کہ نیا گھر بناتی ہیں
پھر سے ایک نیا شہر بناتے ہیں
جس میں ہم نہ ہوں گے وہ ہوں گے

پھر وہ مجھ کو بہت یاد آتا

اک دن
جب میں تیز بارش میں
گھر سے باہر نکلی
تو خالی سنسان سڑکوں پر
عجب مدہوشی کا عالم تھا
جب گاڑی کے شیشے پر تیز بارش
کے قطرے گرتے
تو اُن قطروں کی ننھی ننھی بوندوں سے
ایک تصور جگمگاتا
اور ایک چہرہ ابھر آتا
اور وہ ستم گر ہنستے ہوئے

بڑے تفخر سے کہتا

'' ہائے ، نمستے ، سلام ''

جناب کیا قبول کریں گی

کیا میں پیش کروں

درد کے اس بے کراں سمندر میں بھی

اُس کا وہ تصور میرے ہونٹوں پہ

ہنسی لاتا

من میرا مسکراتا

یوں یاد کا گھونگھٹ وہ تصور اٹھاتا

وہ پھر مجھ کو بہت یاد آتا

بہت یاد آتا

کیوں؟

اے یزداں ایسی مجرم ہوں جس کی وفا کو جفا لکھا گیا
تیرے زمانے میں مری سانسوں کو خطا لکھا گیا

میں نے جب جب مانگی ہے دعا ، دغا سوچی گئی
مری آنکھوں کو لہو اور خوابوں کو فنا لکھا گیا

میرے ہاتھ پہ نقش ہیں تیری ابھی تلک انگلیوں کے نشان
میرا بیش قیمت اثاثہ ہیں وہ چند لمحے قرب و وصال کے

غزل

خود کو بھول جانے کا وعدہ کر رہے ہیں ہم
بن ترے ہی جینے کا ارادہ کر رہے ہیں ہم

روح و جاں کا رشتہ بس ٹوٹنے ہی والا ہے
اور اب غموں کو ہی لبادہ کر رہے ہیں ہم

سیدھے سادھے لفظوں میں اس کو ہم نے مانگا ہے
اک دعا جو الجھی تھی سادہ کر رہے ہیں ہم

لے کر اپنے دامن میں جو تھکن ہے صدیوں کی
آج تو جنوں سے استفادہ کر رہے ہیں ہم

ہم کو اسطرح سے ہی اب سکوں سا ملتا ہے
درد اپنے دل میں کچھ زیادہ کر رہے ہیں ہم

دیکھ تیری آنکھوں میں اشک اب یہ کیسے ہیں
دیکھ مسکرانے کا اب وعدہ کر رہے ہیں ہم

غزل

دل میں بس خیال اس کا سائبان جیسا ہے
جو زمیں کا باسی ہے آسمان جیسا ہے

اس کے بن مرے دل کا حال پوچھتے ہو کیا
جو اجڑ چکا ہے بس اس مکان جیسا ہے

بات جو نہیں سنتا اس سے بات کرتی ہوں
اس پہ ہے یقیں مجھ کو جو گمان جیسا ہے

جس تلک پہنچنے کی جستجو میں کرتی ہوں
ہے بلندیوں پہ اور وہ اڑان جیسا ہے

زندگی کی موجوں میں ڈولتی ہے یہ نیّا
وہ بھنور کی زد میں اک بادبان جیسا ہے

اک مہک سی گزری ہے وہ جہان سے گزرا ہے
راستہ وہ سارا اب گلستان جیسا ہے

دکھ ملیں یا ویرانی، ہم نے شاہین سوچا ہے
اس کو اب نہ چھوڑیں ہم مہربان جیسا ہے

غزل

دوستی کے لہجے میں دشمنی نے مارا ہے
دکھ تو یہ ہے ہم کو بس اک خوشی نے مارا ہے

تیرگی کا ہم کرتے اب گلہ بھلا کیسے
ہم کو چاند راتوں میں چاندنی نے مارا ہے

دردِ نا رسائی اب ہم کو کیسے مارے گا
الوداعی لمحوں کی بے بسی نے مارا ہے

دوش کیا رقیبوں کو آ ج دیں کہ ہم کو تو
اپنی ہی محبت کی بے حسی نے مارا ہے

شہر میں جو رہتا تھا اجنبی سا دیوانہ
سب کو علم ہے اس کو آگہی نے مارا ہے

آرزو شکستہ ہے ، دل اداس رہتا ہے
بس تمہاری یادوں سے دوستی نے مارا ہے

ہر قدم پہ اپنی یہ زندگی سلگتی ہے
شہر یہ جفا کا تھا ، مخلصی نے مارا ہے

غزل

روشنی کرنی تھی جس نے، وہ دھواں کرتا گیا
رنج و غم کو ہی مرا کیوں آسماں کرتا گیا

زعم تھا وہ پاسباں دل کا ہے دل کے ہی قریب
پر مرے دل کو وہ کیسے بد گماں کرتا گیا

جو مجھے گلزار کرنا چاہتا تھا اُسے دیکھیئے
مجھ کو ویراں کر کے خود کو گلستاں کرتا گیا

کیا خبر تھی ایک دن کر دے گا زخمی روح کو
کام دشمن کا تھا جو اک مہرباں کرتا گیا

وہ کہانی کا عجب کردار تھا شاہین جو
وہ حقیقت تھی مجھے ہی داستاں کرتا گیا

غزل

اے وحشتِ دل آجا ، کوئی بزم ہی سجائیں
غمِ دل کو آج ہم بھی شبِ انجمن میں لائیں

ہے قفس اداسیوں کا ، بھلا رات کب ہے کٹتی
ذرا اُن رفاقتوں کو چلو مل کے ہم نبھائیں

ہیں جو زخم فرقتوں کے ، یونہی مندمل نہ ہوں گے
وہی ذکر چاہتوں کا ، تجھے پھر سے ہم سنائیں

یہ جو دکھ ہیں ہجر والے ، یہ کوئی نئے نہیں ہیں
کسی یاد میں بھلا اب تجھے کس لیے رُلائیں

اِسی راستے سے گزرا وہ ابھی ہوا کی صورت
مجھے خوشبوئیں ستائیں ، مجھے تتلیاں ستائیں

وہ جو عہد اک کیا تھا ، وہ جو عہد تھا وفا کا
جسے یاد ہی نہیں ہے ، چلو اُس کو بھول جائیں

غزل

میں ٹوٹ کر بکھر گئی ، بنا رہا ہے اب مجھے
وفا کے گیت کون پھر سُنا رہا ہے اب مجھے

یہ رنج اور الم تو کھا گئے تھے بن کے گُھن مجھے
مگر یہاں کوئی تو پھر بچا رہا ہے اب مجھے

وگرنہ درد ہیں بہت سے میری آنکھ میں سجے
بَس ایک خواب ہی تو ہے سُلا رہا ہے اب مجھے

حیات ٹمٹما کے کب سے بجھ چکی تھی اور پھر
ہوا کے دوش پر کوئی جلا رہا ہے اب مجھے

پھر اُس کے اشک دے رہے ہیں دل کو کچھ تسلیاں
اور اک خیال خواب کچھ دکھا رہا ہے اب مجھے

عجیب شخص ہے کہ مجھ کو توڑتا رہا تھا خود
میں جب بکھر گئی تو پھر بنا رہا ہے اب مجھے

غزل

دن تو اپنے غمِ دوراں میں گزر جاتے ہیں
شام ہوتے ہی ترے غم میں بکھر جاتے ہیں

ڈھونڈنے والے پہنچتے ہی نہیں ہیں اِن تلک
کچھ لوگ تو یونہی چپ چاپ ہی مر جاتے ہیں

خواب اگر بجھ بھی گئے ہیں تو مجھے غم ہے کیسا
روشنی یاد کے جگنو بھی تو کر جاتے ہیں

جانتے ہیں کہ بھنور ہیں یہاں چاروں جانب
لیکن ہم لوگ تو دریا میں اتر جاتے ہیں

بن ترے یوں بھی سلامت نہیں رہتے ہیں ہم
ٹوٹ جاتے ہیں تیری سمت اگر جاتے ہیں

بے وفائی کا بھی الزام نہیں آنے دیتے
لوگ تو اتنے سلیقے سے مکر جاتے ہیں

دیکھ نیچے کی طرف بھی کبھی اے تخت نشیں
کیسے مٹی میں یہ کہسار اُتر جاتے ہیں

اپنی آنکھوں میں لیے ڈوبتے سورج کی شفق
دیکھ شاہین یہ دیوانے کدھر جاتے ہیں

غزل

تم سے گر دوستی نہیں ہوتی
زندگی زندگی نہیں ہوتی

تم تبسم ہو میرے ہونٹوں کا
بِن تمھارے ہنسی نہیں ہوتی

جل رہا ہے دیا تو یادوں کا
گھر میں کیوں روشنی نہیں ہوتی

چاند ہوتا فلک پہ تارے بھی
ہاں مگر چاندنی نہیں ہوتی

وحشتِ ہجر گر نہ مل پائے
زیست میں دلکشی نہیں ہوتی

بھول جاتی جو تیری چاہت کو
آنکھ میں یہ نمی نہیں ہوتی

غمِ ہجراں اگر ہو جیون میں
پھر فضا اجنبی نہیں ہوتی

تیری چاہت مری عبادت ہے
عشق میں دل لگی نہیں ہوتی

عشق میں دکھ تو سارے ہوتے ہیں
اس قدر بے بسی نہیں ہوتی

ذکر اُس کا نہ ہو جو مصرعوں میں
پھر تو شاہین شاعری نہیں ہوتی

غزل

اک شخص میری عمر کے عنوان لے گیا
میرے یقیں سفر کا سب سامان لے گیا

کچھ خواب تھے، کہ پھول تھے، تعبیر تھی یہاں
خواہشوں سے سجا میرا گلستان لے گیا

یادوں کے پھول جس میں سجاتی رہی تھی میں
ہاتھوں سے میرے کون یہ گلدان لے گیا

تنکوں کا آشیاں جو بنایا تھا شوق سے
وہ بھی اڑا کے ساتھ میں طوفان لے گیا

وعدہ بھی ساتھ لے گیا جاتے ہوئے وہ آج
ملنے کا آخری تھا جو امکان لے گیا

غزل

سال تو کم ہیں مقدر میں ترے صدیاں چاہوں
غم کبھی بھی نہ ملیں ایسی میں خوشیاں چاہوں

خار تقدیر بنیں گردِ سفر کی جاناں
تیرے حصے میں فقط پھول اور کلیاں چاہوں

اِس سفر میں تجھے رستے ملیں اُجلے اُجلے
راہ میں جتنی بھی روشن ہیں وہ گلیاں چاہوں

یہ جو خوشیوں کا نگر ہے یونہی آباد رہے
دکھ کی نگری کو تو ہر حال میں ویراں چاہوں

میں نے شاہین کبھی اپنے لیے مانگا کب ہے
ہر دعا تیرے لیے ہی تو میں اے جاناں چاہوں

غزل

لے کے آیا ہے کہاں وقت کا گرداب مجھے
کر دیا اپنے ہی حالات نے غرقاب مجھے

پھر مخاطب ہوں شبِ ہجر کی تنہائی سے
اے سحر! اور دکھائے گی کوئی خواب مجھے

درد ہی درد ملے ہاتھ کی ریکھاؤں میں
کم نصیبی نے دیے حیف یہ اسباب مجھے

اب تو لمحے کی بھی فرصت نہیں ،آرام کہاں
زندگی اور سکھائے گی کچھ آداب مجھے

خشک سالی کا یہ عالم ہے کہ شاہین اب تو
اپنے دریا میں بھی پانی ملے نایاب مجھے

غزل

شب تنہائی کو آباد کیا کرتے ہیں
جانے والے تجھے ہم یاد کیا کرتے ہیں

وقت کے چہرے پہ اب کوئی شکن کیا اُبھرے
ہم دبے ہونٹوں سے فریاد کیا کرتے ہیں

عمر بھر ساتھ رہی یاد تری سائے کی طرح
اس قدر عشق تو ھمزاد کیا کرتے ہیں

منحصر ہوتی ہے دنیا کی ترقی اُن پر
جو سدا نت نئی ایجاد کیا کرتے ہیں

ہم کو آتی نہیں دنیا کی تجارت شاہین
وقت اپنا یونہی برباد کیا کرتے ہیں

غزل

کرب شب ہجراں سے وہ انجان نہیں تھا
اس شہر کا باسی تھا وہ مہمان نہیں تھا

سب چھوڑ دیا گردشِ افلاک پہ ہم نے
قسمت میں ہماری سر و سامان نہیں تھا

اِس درد کا درماں تھا فقط دستِ اجل میں
دل اپنا بھی اس راز سے انجان نہیں تھا

دم توڑ گئیں ساری امیدیں مری افسوس
منزل پہ پہنچنے کا کچھ امکان نہیں تھا

پت جھڑ میں ہرے پات ہوئے زرد وگرنہ
یہ گلشنِ دل اتنا بھی ویران نہیں تھا

اِک شخص کی خاطر میں زمانے سے اُلجھتی
شاہین یہ میرے لیے آسان نہیں تھا

غزل

دیکھا تھا ایک پھول محبت کے باغ میں
تب سے ہے اضطراب دلِ داغ داغ میں

میرا وجود لالہ صحرا سے کم نہیں
نکلی ہوں آج خود ہی میں اپنے سُراغ میں

مانوں گی ہار ظلمتِ شب سے نہ میں کبھی
جب تک کہ روشنی ہے اس دل کے چراغ میں

فانی جہان کی ہے ہر اک شے فنا مآل
بیکار ہے یہ حرص و ہوس اس دماغ میں

شاہین یہ بھی تشنہ لبوں ہی میں بانٹ دو
تھوڑی سی مئے پڑی ہے جو تیرے ایاغ میں

غزل

گزرے گا اپنا جیون اب امتحاں کی صورت
آئیں گے یاد تم کو ہم داستاں کی صورت

نقشِ قدم تھے تیرے دل میں سجے ہوئے بس
گزرے ہیں ہم وہاں سے پھر بھی گماں کی صورت

اِک جشن سا بپا ہے گلیوں میں چار جانب
لیکن بھٹک رہے ہیں ہم رائیگاں کی صورت

تو ساتھ تھا تو اُس دم صحرا میں دھوپ کب تھی
مہکے ہوئے تھے ہم بھی اک گلستاں کی صورت

شاہین یوں تو چہرے دنیا میں چار سُو ہیں
لیکن ترس گئے کیوں ہم مہرباں کی صورت

غزل

آؤ کہیں پہ بزمِ محبت سجائیں ہم
غم ہائے روزگار ذرا بھول جائیں ہم

انجام دوستی کاجب داغ فراق ہے
پھر کیوں کسی کی یاد میں آنسو بہائیں ہم

زخم جگر کا اپنے جو درمان کر سکے
ایسا بھی چارہ گر کہیں سے ڈھونڈ لائیں ہم

سنتے ہیں وہ حسین بھی ہے تشنہ وصال
کیوں نہ اُسے بھی اپنے گھر مہمان بنائیں ہم

ہوئے ہیں یادگار رفاقت کے زخم بھی
اپنی وفاؤں کا تجھے قصہ بتائیں ہم

شاہیں طویل تر ہوئی جاتی ہے غم کی رات
دل کو طلوع صبح کا کوئی مژدہ سنائیں ہم

غزل

سیکھا ہے زندگی سے خود کو بھلائے رکھنا
مہر و وفا کو اپنا شیوہ بنائے رکھنا

مقروض ہو گئے ہیں ہم اِس طرح کسی کے
ہر وقت اس خدا کے احساں اٹھائے رکھنا

کوئی ہنر نہ آیا جینے کا ہم کو لیکن
معصوم خواہشوں کو دل میں بسائے رکھنا

بھولا نہیں ہے دل کو منظر وہ میکدے کا
بادہ کشوں کا شب بھر اودھم مچائے رکھنا

شاید کبھی ادھر سے شاہین کوئی گزرے
پاسِ ادب سے اپنی آنکھیں بچھائے رکھنا

غزل

کب سے محشر کی رات جاری ہے
ہم نے کیا زندگی گزاری ہے

رو رہی ہوں میں اپنی قسمت پر
ہر نفس دل پہ زخم کاری ہے

اہلِ دل پہ فقط نہیں ہے موقوف
عشق کا روگ سب پہ طاری ہے

ہو چکی شہر بھر میں رسوائی
اب یہاں کیسی پردہ داری ہے

کیا بتاؤں میں حال دل شاھین
بے قراری سی بے قراری ہے

غزل

شامِ غربت کے چراغوں کو بجھانے والے
کون ہوتے ہیں ستمگر یہ زمانے والے

بھول جاؤں گی میں غیروں کی جفائیں لیکن
وہ جو اپنے تھے مجھے زخم لگانے والے؟

اہلِ گلشن سے اسیرانِ قفس کہتے ہیں
خوش رہیں بزم گلستاں کو سجانے والے

آ سکھاؤں میں محبت کی ادائیں تجھ کو
تلخیاں عہدِ گزشتہ کی بڑھانے والے

تجھ کو معلوم نہیں پیار کی خوشبو ناداں
اِس کو دیتے ہیں بقا لہو رنگ رچانے والے

ہم کریں گے نہ کسی طَور وفا کو رسوا
ہم نہ بھولیں گے تجھے ، ہم کو بُھلانے والے

یہ انا داری ہے شاہین مرا اثباتِ وجود
آپ مٹ جائیں گے خود مجھکو مٹانے والے

غزل

سب پرانے قصے ہیں پریم کی کہانی میں
کون ہے نئی سسی تھل کی بے کرانی میں

عمر کٹ گئی لیکن تجھ کو پڑھ نہیں پائے
ہر ورق تمھارا تھا اپنی زندگانی میں

گُل رتوں کا موسم تھا، چاہتوں کی برکھا تھی
کیا خبر کہاں تھے ہم کس کی راجدھانی میں

زندگی بسر کرنا اِس قدر نہیں آساں
تشنگی ہے صحرا کی اس کے گہرے پانی میں

لَمس تیرے ہاتھوں کا جب مجھے میسّر ہو
پھر مری طبیعت بھی کیوں نہ ہو روانی میں

دردِ نا رسائی سے دل بہت تڑپتا ہے
یہ غم تو رہتا ہے آنکھ کی حیرانی میں

دشت میں چلے آندھی، ریت نقش مٹ جائیں
موج موج دریا ہو دشتِ بادبانی میں

ہم قفس کی قید میں مدتوں رہے شاہین
ذوقِ خود کلامی تھا اپنی بے زبانی میں

غزل

وہ چاند چہرہ ابھی تک جو مرے دھیان میں ہے
اُسی کا عکس ہی لرزاں مرے گمان میں ہے

وہ چاہتوں کے حسیں پھول، موسموں کی بہار
ہر ایک نخلِ ثمر دار آن بان میں ہے

میں تتلیوں کی طرح اس کو ڈھونڈنا چاہوں
وہ پھول جس کی مہک سارے گلستان میں ہے

کڑکتی دھوپ بھی اس کو جلا نہیں سکتی
وہ نو نہال جو برگد کے سائبان میں ہے

میں اپنی نظم وغزل ان کے نام کرتی ہوں
کہ جن کا ذکر محبت کی داستان میں ہے

میں شاعری میں اسے ڈھال دوں مگر شاہین
کہاں وحسن و لطافت مری زبان میں ہے

غزل

ہر اک خوشی تیرے لیے
یہ زندگی تیرے لیے
ہستی مری بستی تری
بستی میری تیرے لیے
گلشن بیابانوں کے پھول
رُت پھول سی تیرے لیے
میرا مقدر تیرگی
یہ چاندنی تیرے لیے

محفل کی ہر ناگفتنی
ہر ان کہی تیرے لیے
آئے ہیں تیرے شہر میں
ہم اجنبی تیرے لیے
ہر اک تمنا مضطرب
دمِ آخری تیرے لیے
میرے قلم کی نوک پر
حرفِ جلی تیرے لیے
شاہین کرتا ہے کوئی
اب شاعری تیرے لیے

غزل

میری رہِ حیات پہ کیسا احسان کر گیا
وہ رنج وغم کو میرا آسمان کر گیا

وہ اجنبی ادھر کو پھر آیا نہیں کبھی
سپنے دکھا کے مجھکو پریشان کر گیا

ہیں گرد گرد راستے، منزل دھواں دھواں
دشتِ وفا کو کون یہ سنسان کر گیا

لایا تھا اپنے ساتھ بہاروں کے قافلے
لَوٹا تو اک سراب مجھے دان کر گیا

ثابت قدم نہ رہ سکی راہِ حیات میں
مجھکو سلوک خلق ہی بے جان کر گیا

رہتا تھا محفلوں میں جو بہت خموش
اِک ساز چھیڑ کر مجھے حیران کر گیا

غزل

کسی کی یاد میں ہولے سے مسکرا دینا
پھر اس کے ہجر میں خود کو یونہی رُلا دینا

تمام شہر پہ سائے ہیں اجنبیت کے
کہاں وہ دور کہ بزمِ طرب سجا دینا

مری تمام امیدیں اسی سے وابستہ
وہ جس کا شغل ہے احباب کو دغا دینا

یہ کس کے ہجر میں زخمی ہے اپنی ہر ساعت
یہ کس کی یاد میں غم کا دیا جلا دینا

ہزار شکوہ شکایت سہی ہمیں لیکن
وہ اسکے سامنے سارے گلے بھلا دینا

رہِ حیات میں ہر گام ہے کٹھن اے دوست
سلامتی کی ہمیشہ بس تجھے دعا دینا

غزل

بکھرے جو نکل کر ہونٹوں سے
میں اس دعا کی صورت ہوں
پانی کے بنا جیسے ہے کنول
ویسے ہی وفا کی صورت ہوں
خوشبوئے گل مہکی نہ کبھی
میں ایسی فضا کی صورت ہوں
ہو خوفزدہ جیون جس سے
میں ایسی سزا کی صورت ہوں

سر زد نہ ہوئی جو چاہت میں
میں ایسی جفا کی صورت ہوں
ہاتھوں میں جو رنگ لائی نہ کبھی
اک ایسی حنا کی صورت ہوں
تقصیر بنا جو مل جائے
میں اس سزا کی صورت ہوں

غزل

محفل میں تنہا کر دیا ہے اس کی یاد نے
مجھ کو تو رسوا کر دیا ہے اس کی یاد نے

کیا جانیے کہ کس کی لگی بد دعا ہمیں
زخموں کو تازہ کر دیا ہے اس کی یاد نے

دشتِ جنوں ہی عشق کی تقدیر بن گیا
گلشن کو صحرا کر دیا ہے اس کی یاد نے

اشکوں کا کارواں بھی کچھ ایسے رواں ہوا
آنکھوں کو دریا کر دیا ہے اس کی یاد نے

باقی نہیں رہا اب کوئی امید کا دیا
دن میں اندھیرا کر دیا ہے اس کی یاد نے

شاہین اس کی یاد کو کیسے بھلائیں ہم
ہم کو دیوانہ کر دیا ہے اس کی یاد نے

غزل

سروں پہ سایہ فگن ہے جو آسماں کی طرح
ترے کرم کا وہ بادل ہے سائباں کی طرح

میں اپنے دستِ ہنر سے تجھے سجاؤں گی
تو میرے پاس تو آ، یادِ مہرباں کی طرح

فسانہ ساز ہے دنیا کسی سے بات نہ کر
میرے یقیں کا موسم بھی ہے گماں کی طرح

بچھڑ گئے ہیں کہیں جنگلوں کی وسعت میں
جو اپنے گھر میں فروزاں تھے کہکشاں کی طرح

ہمارے زخم جگر میں ہے رنگ گل کی نمود
ہمارا چاک گریباں ہے گلستاں کی طرح

مسافروں کا مقدر ہے شام تنہائی
کوئی بھی شام نہیں شامِ دوستاں کی طرح

ملے جو لمحہ فرصت تو عرض حال کریں
ہر ایک حرفِ تمنا ہے داستاں کی طرح

ہوا کے دوش پہ اس کی اڑان ہے شاہین
جو اپنی ناؤ کا ضامن ہے بادباں کی طرح

غزل

سویا رہا نصیب میرا یہ رات چل پڑی
اک بے وفا سے بے وفا کی بات چل پڑی

چھائے ہوئے تھے دیر سے بادل افق افق
دیکھا مرا گھرونده تو برسات چل پڑی

بچھڑی میں اپنے قافلے سے کونج کی طرح
تنہا ہوئی جو شام تو بارات چل پڑی

مانا وہ بے وفا سہی لیکن برا نہیں
رسم و رہِ وفا کی یونہی بات چل پڑی

ہوتی رہی تھیں چاہتیں تقسیم چار سُو
کاسہ مرا یہ دیکھ کر سوغات چل پڑی

آبلہ پا دل مرا ہے ہجرتوں کی آگ سے
کیوں ضبط اور دیوانگی اک سات چل پڑی

غزل

اگرچہ موسم سنور رہے ہیں
مگر زمانے گزر رہے ہیں

قدم ہمارے نہ ڈگمگائے
گو راستے پُر خطر رہے ہیں

یہ کس طرح کی محبتیں ہیں
کہ جن کو کھونے سے ڈر رہے ہیں

تھے جن کے دم سے یہ خواب روشن
وہ لوگ خوابوں میں مر رہے ہیں

یہ دکھ اثاثہ ہیں مرا شاہین
یہ دکھ جو میرے ہی گھر رہے ہیں

جب سے تجھ سے دور ہوئے ہم
صدموں سے مہجور ہوئے ہم
عشق کا کب یارا تھا ہم کو
فطرت سے مجبور ہوئے ہم

میں زندہ ہوں وفا کی صورت

میں اس دور کی
بے بس، مجبور، لاچار لڑکی
کوفہ عشق میں
تنہا، دریدہ دل، وفا کی متلاشی، بے ردا
سر پہ جلتا، انگارے برساتا آسماں لیے
زندگی کی دھوپ دھوپ مسافت میں سفر کر رہی ہوں
موت کے بے رحم، نامعتبر ہاتھوں سے زندگی کو معتبر
کر رہی ہوں
وادی عشق میں سجی مقتل گاہ میں
سفاک قاتلوں سے میری روح ابھی تک

نبرد آزما ہے کہ میں

زندہ ہوں ابھی

میں زندہ ہوں ہر ایک نام میں

میں زندہ ہوں ہر ایک جسم و جاں میں

میں رقم ہوں لوح تقدیر پر دعا کی صورت

میں محبت کی انتہا ہوں وفا کی صورت

میری آہیں گونجتی ہیں صدا کی صورت

بچھڑی ہوں پھول سے معطر فضا کی صورت

میں زندہ ہوں

میں زندہ ہوں ستارے، خوشبو، صبا کی صورت

اک انمول وفا کی صورت

ہاں میں زندہ ہوں وفا کی صورت

سوال!

پھر کیا کمی تھی

یہ آنکھیں ، یہ حسن ، یہ ادا
یہ خوش خرامی ، یہ دلربائی
واہ کیا خوبصورتی ہے یہ کیسا جمال ہے
اور اس پہ یہ زیبائی ہنر
کیا حسیں قدرت کا کمال ہے
کتنا خوش نصیب ہے وہ شخص
جو آپ کا ہم رقص ہم جمال ہے
شب و روز کے اس چکر میں
اس سفر میں

یہ فقرے سنوں اور ان پیاسی وحشت بھری
آنکھوں کی باتیں پڑھوں
اور نگاہیں پھیر کے کرب سے
خود سے یہ سوال کروں
اور اندر کی سرگوشیاں دبا کے
لبوں کو قفل لگا کے بس اتنا ہی سوچ پاؤں
اگر یہ سب عطا کیا تھا خدا نے مجھ کو
تو پھر کیا اُسے اس سے بھی زیادہ کی طلب تھی
یا مجھ پہ کوئی ایسا زوال تھا کہ
جب اُس نے راستہ بدلتے
کچھ بھی نہ سوچا

خوش فہمی

سن سکھی!

شاید اک دن کبھی ایسا بھی ہوا تھا

شاید دعائیں رنگ لائی تھیں

یا خیالوں میں کوئی معجزہ ہوا تھا

اک دن کے اجالے میں

میری صبح بھی روشن ہوئی تھی

سحر کی کرن مجھ پہ مہربان ہوئی تھی

قسمت بھی نازاں تھی اُس دن

خوشی میری دربان ہوئی تھی

میں وصل کے ان مہربان لمحوں میں

اسکے چہرے کے رنگ دیکھ رہی تھی
اور من ہی من میں یہ سوچ رہی تھی
کیا جذبوں کی آنچ ہمیشہ
بن کے دیا من مندر میں جلا کریگی
کیا دوری کی یہ سرد فصیلیں
یہ محبت توڑ سکے گی
پھر کسی مخمور لمحے میں
اس نے جانے کیا سوچ کے
اپنا ہاتھ میرے ہاتھ پہ رکھ دیا تھا
اس دم اسکے چہرے پہ جانے کس درد کا کرب ابھرا تھا
اس ریشم جیسی چاہت میں
میرے دل کا بند ٹوٹ گیا تھا
میری آنکھوں کا بہتا دریا
ایک قطرے میں ڈھل گیا تھا
اور وہ قطرہ پلکوں کی قید سے
اس کے ہاتھ پہ ٹپک پڑا تھا
اور اس نے تڑپ کے کیسے
ہجر کے دکھ کو محسوس کیا تھا

جب سوچ کا سورج ڈوبا سکھی

اور خیالوں کا بند ٹوٹا سکھی

تب مجھکو یاد آیا

وہ ہاتھ تو میرا اپنا تھا

جو خیالوں میں میں نے اپنے ہی ہاتھ پہ رکھ دیا تھا

ہاں اک دن ایسا بھی خیالوں میں

معجزہ ہوا تھا

Not Worth for U

کون کہے جاناں مرے
جب ہر خوشی لے لی
آنکھوں سے روشنی لے لی
یہاں تک کہ زندگی لے لی
اُس پہ یہ ترکِ تعلق اور
تمھارے ان کمال لفظوں کی بارش کہ
(I am not worth for U to
Remember me)
یہ لازم تو نہیں
کہ تم مجھ کو یاد رکھو
میں تمھارے لیے اہم تو نہیں
کہو انصاف ہے جاناں
کہ منصف بھی تو تم ہی ہو

مجھے اب رونا اچھا لگتا ہے

لبوں کی مسکراہٹ
آنکھوں کی شرارت
لہجے کی کھنکھناہٹ
ہوتی ہے کیا ؟
میں ہنسنا بھول گئی ہوں
اس جبرِ مسلسل میں ہر سپنا بھول گئی ہوں
ان دکھ کی بھول بھلیوں میں
خوشی کے پل کہاں ٹھہرتے ہیں
سناٹا، وحشت، بدنصیبی
محبت کا مقدر رہتے ہیں

زندگی کی دھوپ دھوپ مسافت میں
سائبان تو رخ بدلتے ہیں
دکھوں کی پت جھڑ میں تنہائی کا ساتھ رہتا ہے
اداس شاموں میں سائے بھی دور رہتے ہیں
ایسے بوجھل تنہا لمحوں میں
آنسوؤں کے جھڑی کو
پلکوں پر پرونا اچھا لگتا ہے
تیری یادوں میں کھونا اچھا لگتا ہے
مجھے اب رونا اچھا لگتا ہے
مجھے اب رونا اچھا لگتا ہے

لبوں کی مسکراہٹ
آنکھوں کی شرارت
لہجے کی کھنکھناہٹ
ہوتی ہے کیا ؟
میں ہنسنا بھول گئی ہوں
اس جبر مسلسل میں ہر سپنا بھول گئی ہوں
ان دکھ کی بھول بھلیوں میں

خوشی کے پل کہاں ٹھہرتے ہیں
سناٹا، وحشت، بدنصیبی
محبت کا مقدر رہتے ہیں
زندگی کی دھوپ دھوپ مسافت میں
سائبان تو رخ بدلتے ہیں
دکھوں کی پت جھڑ میں تنہائی کا ساتھ رہتا ہے
اداس شاموں میں سائے بھی دور رہتے ہیں
ایسے بوجھل تنہا لمحوں میں
آنسوؤں کی جھڑی کو
پلکوں پر پرونا اچھا لگتا ہے
تیری یادوں میں کھونا اچھا لگتا ہے
مجھے اب رونا اچھا لگتا ہے

وہ اب بھی کیا ویسا ہے

اے چندا کی چاندنی
اپنی کرنیں پھیلا
جا کے اس چاند کو بھی چھو آ
اور آ کے مجھے بتا

کہ اب وہ کیسا ہے
وہ اب کیسا دکھتا ہے
کیا اب بھی ہنستا گاتا ہے
جب کوئی روٹھے اس سے
کیا ویسے ہی ہنس کے وہ مناتا ہے
سُکھ دکھ کے وہ گیت سہانے

ہنستے ہنستے گاتا ہے

تنہائیوں کے شہر میں

کسی کو اپنا بناتا ہے

وہ دکھیوں کو ہنسانے والا

وہ غموں سے دور لے جانے والا

کیا اب بھی خوشیوں کی محفل سجاتا ہے

جب سُکھ کا کوئی گیت بھولے

وہ اسکو یاد دلاتا ہے

وہ اب کیسا دکھتا ہے

وہ اب کیسا لگتا ہے

اتنا تو بتا

ذرا جا کے اس پر اپنی کرنیں پھیلا

اسے یہ بھی ذرا بتا

وہ شخص اس کو دعائیں دیتا ہے

جس سے وہ خفا سا رہتا ہے

وہ اس کیلئے ہاتھ اٹھا کے

اس کو صدائیں دیتا ہے

اس کو دعائیں دیتا ہے

سب خوشیوں کے شیدائی

کون یاد کرتا ہے
بیتی ہوئی باتوں کو
بے رنگ گزرے لمحوں کو
بھولی ہوئی یادوں کو
کون کریدتا ہے جاناں
اپنے مندمل زخموں کو
کون چنتا ہے کرچیاں ٹوٹے ہوئے خوابوں کی
کون دیتا ہے تعبیر
بکھرے ہوئے خوابوں کی
سب فریب ہیں باتوں کے
سب جوڑ توڑ لفظوں کے
سب خوشیوں کے سودائی ہیں
سب رنگوں کے شیدائی ہیں
سب یہاں ہرجائی ہیں

ہم پاگل لڑکیاں

ہم ساری لڑکیاں
ہم ساری تتلیاں
اپنے اپنے قبیلوں سے جدا
اپنے اپنے گھونسلوں سے خفا
وقت کے آئینہ خانے میں
دلوں میں بے رنگ خواب سجائے
نینوں میں دکھ کے موتی چھپائے
منزلیں تلاشتی پھر رہی ہوں
خود کو خود میں ڈھونڈ رہی ہوں
کبھی منزلیں ہمیں ملتی نہیں

اور کبھی منزلوں کے قابل ہم نہیں
پھر بھی جستجوئے ذات میں
خود کو تلاشتی پھر رہی ہوں
ہم ساری لڑکیاں
ہم ساری تتلیاں
ہم سورج کی روپہلی کرنوں میں
اپنا ستارہ ڈھونڈ رہی ہیں
بہتے ساگر کی موج میں
اپنا کنارہ ڈھونڈ رہی ہیں
غموں کے ہم طوفان اٹھائے
ہونٹوں پہ مسکان سجائے
اپنی ہستی کھوج رہی ہیں
خود کو خود میں ڈھونڈ رہی ہیں
ہم پاگل لڑکیاں
ہم اڑتی تتلیاں

وہ کون تھا؟

میں اپنے وجود کے ٹکڑے لیے پھرتی ہوں دربدر
جانے وہ کون تھا جو دل و جاں کے اندر گیا اتر

جانے وہ کون تھا جو سانسیں بھی کھینچ لے گیا
جانے وہ کون تھا جو دے گیا زندگی کو قبر

ہے کون وہ جس کے وجود سے سلامت مری خوشی
ایسا ہے کیا اُس میں جس کی خاطر روئی ہوں عمر بھر

وحدت کی انتہا کر دی میں نے بھی چاہت میں
اس کو سجایا آسمان دل پہ جو کرتا رہا مجھے نا معتبر

اس کی ہتھیلیوں پر سجاتی رہی میں اپنے خواب کیوں
جو بار بار اپنی منزل کی بناتا رہا گردِسفر

وہ نام بس تیرا ہے

میری شب کی تنہائی میں
(یہ جو ہو کا عالم ہے)
میری نیندیں جو کوسوں دور
کسی دیس میں بستی ہیں
اور خواب !
(خوابوں کا تو کوئی اب بسیرا ہی نہیں)
کہ نیندیں ہوں گی
تو خواب بھی ہوں گے
میرے مسکرانے کا کوئی ایک لمحہ
جب انجانے میں کبھی لب بھی کھل اٹھیں

کہ تیرے جانے کے بعد مسکان کہاں
میری نظر سے گزرے جو کبھی کوئی حسین منظر
کہ جس میں قدرت کے سبھی حسین رنگ کھلتے ہیں
(مگر میرے لیے تو اب ہر رنگ بے معنی ہے)
جب محفل یاراں کہیں سجتی ہے
اور ایک معصوم لڑکی کوئی خواب بنتی ہے
اس کے ماتھے پہ چمکتی ہوئی کتنی کرنیں
شب کے اندھیروں کو اجالوں میں بدلتی ہوں
اسکی آنکھوں میں حسین رنگ
قوس وقزح کی طرح اوس پر دمکتے ہیں
ان رنگوں کو دیکھ کے
مجھے میری آنکھوں میں اترے وہ گزرے
سبھی رنگ یاد آتے ہیں
اور ایسے مخمور لمحوں میں
مجھے آسمان کے ستاروں کی کہکشاں میں چمکتا
وہ تنہا، اداس چاند آواز دیتا ہے
آسمان کے صحیفوں میں
گزرے قرب کی ساعتوں کے الفاظ دہراتا ہے

دشتِ رفاقت میں ہجر کی اذیت ہے کیا

رو رو کے بتاتا ہے

اور ایسے میں مرے جاناں وہ تیرا انداز بے نوا

چیختی یادوں کی شدت کو کچھ اور بڑھاتا ہے

عمر گریزاں کی پھیلی وسعتوں میں

خواہشوں کی لوح پر جو بار بار لکھا ہے

وہ لفظ وہ نام تو بس تیرا ہے

کیا کروں؟

کس کس چہرے کو تحریر کروں
جو خواب دشت وفا میں کھو گئے
کیا ان کی تعبیر کروں
دشت وحشت میں پھیلی ہے تنہائی
کس سمندر کو جا گیر کروں
جو ہنسی بھی میری لے گیا
کیسے وہ نقش تصویر کروں
کس امید سے اب جاناں
اپنے اور تیرے نام کی تکسیر کروں
کیسے ظلمت کے اندھیروں میں

میں وفا کی تنویر کروں
وہ جو رکھتا تھا مجھے پھولوں کی طرح
اسکے ستم کی کیسے تشہیر کروں
زندگی تیری بدلی ہوئی صورت کی قسم
بتا تیرے کس روپ کی توقیر کروں
تیری مقتل میں کیسے
جینے کی تدبیر کروں

دکھ میرا سنجوگ

دکھ دل کا داغ
دکھ شب کا چراغ
دکھ تن کا روگ
دکھ من کا جوگ
دکھ تنہائی
دکھ رسوائی
دکھ عشق ہے
اور عشق جذبوں کا سوگ
دکھ پیار ہے
اور پیار روح کا سوگ

دکھ آنسو ، دکھ خاموشی
جیسے زنداں کا جھوک
دکھ پت جھڑ ہے
دکھ شبِ تنہائی کا مقدر ہے
دکھ اذیت کی بزم ہے
صبح اور شام کے دائروں میں
پھیلا بس چار سو رنج والم ہے
دکھ خزاں ، صحرا ، دھوپ بھی
دکھ عشق کا انمٹ روپ بھی
دکھ تو بس ہے دکھ
دکھ بنتا نہیں کبھی سُکھ
دکھ جو کچھ بھی ہے
ہے میرا سنجوگ

اس موسم گل میں تو نشیمن ہی جل گیا
دامن میں خزاں لے کے ملی ہم کو یہ بہار

فرقت میں تیری ساتھ ہیں یہ درد اور یہ غم
ورنہ تو اس جہان میں ملتا نہ غمگسار

رہتی ہوں دور اس لیے میں شہر سے ترے
جب چاند ڈوبتا ہے تو ہوتی ہوں بے قرار

غزل

آباد آنگنوں کی وہ راتیں کہاں گئیں
عاشقانِ ماہ کی وہ گھاتیں کہاں گئیں

منظر بدل گیا ہے زمانے کے ساتھ ساتھ
شیشم کی چھاؤں میں وہ ملاقاتیں کہاں گئیں

باقی ہے آج شہر میں شبِ زندہ دار کون ؟
پچھلے پہر کی وہ مناجاتیں کہاں گئیں

ہیں دست بریدہ اب ساری دعائیں
چاہتوں سے پڑھی وہ رکعتیں کہاں گئیں

شاہین بھولتی نہیں صحرا کی دلکشی
وہ چاندنی وہ پیار کی باتیں کہاں گئیں

غزل

مانا کٹھن سفر میں وہ رستہ بدل گیا
یہ کم نہیں دو قدم تو میرے ساتھ چل گیا

دشتِ وفا میں دھوپ کی شدت نہ پوچھیے
میرا وجود برف کی صورت پگھل گیا

میں متاعِ خلوص تھی وفا کا چراغ تھی
ظالم زمانہ مجھ سے عجب چال چل گیا

پایا تھا کیا نصیب وفا کے چراغ نے
خود بعدِ مرگ اپنی مرقد پہ جل گیا

وہ شخص ایک وقت جو کڑیل جوان تھا
درد و الم کا دیو اسے بھی نگل گیا

اترا تھا جس کا زہر میرے جسم و جان میں
دشت وفا میں چھوڑ کے خود وہ نکل گیا

شاہین جس کے واسطے ویراں ہوا یہ دل
راہ طلب میں مجھ سے وہ آنکھیں بدل گیا

غزل

کہوشاہین کیسے یہ جدائی کھا گئی مجھ کو
غموں کی تپتی دھوپ کی ظالم تپش گہنا گئی مجھ کو

عجب ہے قحط کا موسم ، دلِ ویران کی بستی میں
بہارِ گل بھی زنجیرِ جنوں پہنا گئی مجھ کو

محبت کی مسافت میں اکیلی رہ گئی ہوں میں
کسی کی بے وفائی رات دن تڑپا گئی مجھ کو

بدن سے روح کو آزاد کر کے کیا کیا میں نے
محبت اس طرح سے خاک میں ملوا گئی مجھ کو

وہی زردی رہی اب کے ساون میں بھی چہرے کی
خزاں کی رُت کچھ اس طرح سے جُھلسا گئی مجھ کو

جلا رکھتا نہیں شاہین کوئی بجھتے چراغوں کو
یہ رازِ زندگی ، خود زندگی سمجھا گئی مجھ کو

غزل

محبت کو ڈسنے لگی ہیں یہ ذاتیں ، وفا رو رہی ہے
ہوئی اب چمن میں ہی خوشبو کو ماتیں ،ہوا رو رہی ہے

بھرا ایک لڑکی کی جھولی میں صدیوں کا دکھ جانے کس نے
کہ شہنائی میں بھی ملیں درد گھاتیں ، حنا رو رہی ہے

اِدھر پیاس صحرا میں اتری ہے، دہکی ہے اک دھوپ ہر سُو
اُدھر دشت آنکھوں میں بے خواب راتیں، ضیاء رو رہی ہے

جو پہروں کبھی تجھ سے کرتی تھی باتیں ، جو ہنستی بہت تھی
وہ خود کو مسلسل تری آج باتیں ، سُنا رور ہی ہے

زندگی سے زندگی نہ ملی، مقدر نے کھینچ لیں سانسیں
لکیروں میں بکھر گئیں ساری مناجاتیں ، دعا رو رہی ہے

غزل

عشق کو عجب درد کی سوغات ملی ہے
بے خواب صلیبوں پہ کھڑی رات ملی ہے

بدلی ہوئی جب صورت حالات ملی ہے
یہ گردش دوراں بھی وہیں سات ملی ہے

بھیگی ہوئی پلکوں پہ یہ تیرتے ہوئے قطرے
آنکھوں میں برستی ہوئی برسات ملی ہے

ہر شخص کے حصے میں ہے اجداد کا ورثہ
مجھکو میری جاگیر تیری ذات ملی ہے

دیوانے تیرے گوشہ زنداں میں پڑے ہیں
کیا خوب محبت کی مدارات ملی ہے

تھمتے نہیں آنکھوں سے ابھی خون کے آنسو
ہم کو تیرے کوچے سے یہ خیرات ملی ہے

ملتی ہے ضرورت کی ہر اک چیز جہاں میں
ہر شہر میں رندوں کو خرابات ملی ہے

آرام کا اک پل بھی میسر نہیں شاہین
ہر چند زر و سیم کی بہتات ملی ہے

غزل

وقت سحر جو خواب کی تعبیر رو پڑی
ذہن و دل پہ نقش تصویر رو پڑی

اقدار کی شکست بھی کتنی عجیب تھی
پگڑی گری تو عزت و توقیر رو پڑی

دیکھا جو اپنے ہاتھ کی ایک ایک لکیر کو
تقدیر کے سوال پہ تدبیر رو پڑی

جب بھی ہوا عشق میں قربانیوں کا تذکرہ
اہل وفا کی حسرتِ تعمیر رو پڑی

میں کھو گئی جو ظلمت راہ حیات میں
تاریکیوں میں چاند کی تنویر رو پڑی

شاہین لکھ رہی تھی میں ماضی کا تذکرہ
قرطاس پہ لکھی ہوئی تحریر رو پڑی

مطرب نے کیا سنائی ہے یہ داستان عشق
رانجھے کے حالِ زار پر خود ہیر رو پڑی

غزل

چند آنسو جو تیرے غم میں بہا دیتے ہیں
خشک صحرا کو بھی گلزار بنا دیتے ہیں

کوئے جاناں میں ہم آتے ہیں کچھ اس شان سے
لوگ میلہ سا سر راہ لگا دیتے ہیں

ان کے چہرے سے سرک جائے جو تھوڑا سا نقاب
دلِ عشاق میں محشر سا اٹھا دیتے ہیں

جب اپنے دشت کی یاد ستاتی ہے ہمیں
اپنے ہاتھوں سے گھر اپنا ہی جلا دیتے ہیں

یاد کرتے ہیں تجھے ہجر کی راتوں میں بہت
درد سہہ کر بھی تجھے دل سے دعا دیتے ہیں

یاد آتے ہیں جو خوبصورت زمانے کے وہ پل
اپنے گزرے ہوئے ماضی کوصدا دیتے ہیں

تجھ کو معلوم نہیں ہم سے بچھڑنے والے
خود بھی روتے ہیں زمانے کو رلادیتے ہیں

اپنے اشکوں کے سبھی موتی لٹا کر ہم تو
کہکشاں سی تیری راہوں میں سجا دیتے ہیں

کیا عجب لوگ ہیں اس شہر کے باسی شاہین
صبح ہوتے ہی چراغوں کو بجھا دیتے ہیں

غزل

ہر ایک ہار کے پیچھے تھی کامرانی بھی
خوشی کے ساتھ رہی درد کی کہانی بھی

ہر ایک گام ملیں آزمائشیں مجھ کو
غموں کے ساتھ عبارت ہے زندگانی بھی

غبار ہو کے گئیں دور منزلیں مجھ سے
کبھی نہ دیکھنے پائے روش پرانی بھی

میں بھول جاؤں ستمگر یہ زخم دل کیسے
کہ درد ہجر میں گزری مری جوانی بھی

میرے وجود میں اتری ہے پیاس شدت کی
غضب کی دھوپ بھی صحرا کی بے کرانی بھی

حریم دل میں دراڑیں سی ڈال دیتی ہے
بری بلا ہے شاہین یہ بد گمانی بھی

غزل

وہ شخص ہے عزیز مجھے جان کی طرح
اس کا حسین خیال ہے وجدان کی طرح

جب سے وہ میری چاہتوں سے اجنبی ہوا
دل ہو گیا اجاڑ بیابان کی طرح

کرنوں کی بھیک مانگتی ہے خلقِ شہر کیا
دن ہو گیا ہے ظلمتِ زندان کی طرح

کیا پوچھتے ہو برہمی اس کے مزاج کی
شدت میں تندو تیز ہے طوفان کی طرح

کیفیت ِبہار کا عالم نہ پوچھئے؟
دامن کا حال بھی ہے گریبان کی طرح

رہتی ہے تیری یاد مرے دل میں اسطرح
جیسے بدن میں روح کوئی جان کی طرح

گزرے جہاں جہاں سے وہ محو خرام ناز
خنداں روش روش ہے گلستان کی طرح

شاہین راہ شوق میں منزل کہیں نہیں
پیش نظر ہے زندگی میدان کی طرح

غزل

کیا ہے گردشِ دوراں نے سوگوار ہمیں
عجیب لگتا ہے اب موسمِ بہار ہمیں

شبِ الم کے سفر نے تھکا دیا ہے بہت
کہو یہ جا کے اجل سے کہ اب پکار ہمیں

کیے ہیں ہم پہ یہ احسان ناخداؤں نے
دیا ہے بحر کے گرداب میں اتار ہمیں

کہاں کے سروسمن جل گیا نشیمن بھی
خزاں کے ساتھ ملی ہے عجب بہار ہمیں

ملی ہے باد بہاری تیرے شبستاں سے
کیا ہے چاند نے کچھ اور بے قرار ہمیں

کسی کی یاد کا چہرہ ، نہ خدوخال کا عکس
ملا ہے دشت وفا میں فقط غبار ہمیں

دیار شب میں کہاں کوئی مونس و ہمدم
یہ کر گیا ہے بھلا کون اشکبار ہمیں

مٹا دیئے ہیں ہواؤں نے قافلوں کے نشاں
ملے گی کس طرح شاہین راہگزار ہمیں

شہر آرزو میں بھٹکتی ہے کس قدر چاہت تیری
ڈھونڈی ہے کئی چہروں میں دربدر شباہت تیری

غزل

یہ کون اپنی طرف پھر بلا رہا ہے مجھے
گئے زمانے کے نغمے سنا رہا ہے مجھے

شب فراق کے سائے اسی طرح ہیں ابھی
یہ کون خواب محبت دکھا رہا ہے مجھے

تیرے فراق کا موسم بھی کیا قیامت ہے
کئی دنوں سے مسلسل جگا رہا ہے مجھے

میں رات کاٹ رہی ہوں اداس آنکھوں میں
مثال دست صبا وہ سلا رہا ہے مجھے

جھلس رہی ہوں میں صحرا کی دھوپ میں شاہین
کسی کی یاد کا سایہ بچا رہا ہے مجھے

غزل

آنکھوں کی روشنی تھا دھواں کر گیا ہے وہ
اجڑے ہوئے چمن کا سماں کر گیا ہے وہ

اس کو تھا زعم وہ مرے دل کے قریب ہے
شاید اسی گماں میں زیاں کر گیا ہے وہ

تکتے تھے جس کی را ہ وہ آیا نہ لوٹ کر
دنیا کی محفلوں میں حیراں کر گیا ہے وہ

وہ دن بھی تھے کہ چلتے تھے موسم ہمارے ساتھ
یہ دن بھی ہے کہ باغ ویراں کر گیا ہے وہ

شاہین ٹوٹے دل نہیں جڑتے کسی طرح
کہتے ہیں درد دل کا درماں کر گیا ہے وہ

غزل

اے دل ! آ اپنی بزم تمنا سجائیں ہم
شام فراق مشعل انجم جلائیں ہم

صحرا ہے میری آنکھ تو ویران تو بھی ہے
اے باغباں! سحاب کرم کو بلائیں ہم

ڈھلتی نہیں یہ درد والم کی سیا ہ رات
آمل کے اپنا عہد محبت نبھائیں ہم

گزری ہوئی رفاقتوں کی داستان شوق
سننے کا حوصلہ ہے تو تجھ کو سنائیں ہم

اس دور میں وفا کا تصور ہی جب نہیں
پھر کیوں کسی کی یاد میں آنسو بہائیں ہم

سنتے ہیں لمس وصل کی ہے تشنگی اسے
شاہین اس ستمگر کو پھر مہماں بنائیں ہم

اللہ سے

کیا تھا میرے حاکم
گر تو ایسا کرتا
میری روح کو آزاد رکھتا
اُسے کسی حاکم کے نہ نام کرتا
میرے جسم و جاں کا بھی
تو ہی مالک بنتا
دنیا کے حاکموں کا نہ مجھ کو غلام کرتا
سب حاکموں سے تو مجھ کو بچاتا
صرف اپنے سائے میں
میرے صبح و شام کرتا
اگر ایسا ہوتا تو کتنا اچھا ہوتا
جو تو مجھے صرف اپنا غلام کرتا

عید کا دن بھی اُداس گزر جائے گا

نگاہیں جسے ڈھونڈتی ہیں چار سو
وہ عید کا چاند جب بھی نظر آئے گا
ماہِ صیام کی سب برکتوں کو سمیٹے
سارا جہاں عید سعید منائے گا
وعدوں ، قسموں اور نوید کا دن
کچھ بے آس لوگوں کو پھر رلائے گا
رنگوں ، خوشبوؤں اور امید کا دن
پھر بے محل بے آس گزر جائے گا
برسوں بچھڑے ہوؤں کی دید کا دن
جب کبھی آیا ، کیا خوب رنگ لائے گا
کوئی اپنے ہی وطن میں ہو گا تنہا
کوئی پردیس میں خوشیاں منائے گا
چند حسرتیں اپنے دامن میں لے کر
ایک اور دن پھر اُداس عید کا گزر جائے گا

تیرے خیال کے بعد

اب کچھ بھی رہا نہیں اس جیون کے بہانے کو
نہ دکھ تیری جدائی کا، نہ آس کا دیا جلانے کو
نہ دل میں خلش اب پھولوں کی رہی
نہ ہے رنجش اب کانٹوں کی سیج سجانے کو
میں زندہ ہوں اب غم بیاض کی صورت
مری زیست میں کوئی باب نہیں کسی کا دل بہلانے کو
کڑی دھوپ ملی تپتے صحرا میں
کوئی سائباں نہ ملا مرا رنگ و روپ سجانے کو
تیرے خیال کے بعد کوئی انجام نہیں
میری زیست کے افسانے کو

ایک بار پھر سے

چلو کوچہ جاناں میں پھر چل کے دیکھتے ہیں
سنا ہے اس شہر کی دیواروں نے کچھ رنگ بدلے ہیں
اس شہر کے مکینوں نے بھی اپنے ڈھنگ بدلے ہیں
ایسا ہے تو
ایک بار پھر عہد رفتہ کی لکیروں میں
ڈھل کے دیکھتے ہیں
چلو کوچہ جاناں میں پھر چل کے دیکھتے ہیں
سنا ہے دنیا میں رہنے والے اکثر مل بھی جاتے ہیں
ایسا ہے اگر تو پھر اس معجزے کا انتظار کر کے
دیکھتے ہیں
ہم اپنی خاموش تنہائیوں کو بے قرار کر کے دیکھتے ہیں
اسکی محفل کے کبھی ہم بھی باسی تھے پھر یہ اقرار کر کے دیکھتے ہیں
ایک بار پھر سے یہ سفر دشوار کر کے دیکھتے ہیں

آرزو

اگر ہمیں اختیار ہوتا تو
تجھ کو اپنے ہاتھوں کی لکیر کرتے
اپنی سانسوں میں بسا لیتے تجھ کو
اور خوشبو کو زنجیر کرتے
تو جو ملتا تو پھولوں کی طرح
مہکتے یہ شام و سحر
ہم اپنی آنکھوں میں سجے خوابوں کی تعبیر کرتے
گردشِ وقت ہمیں اگر مہلت دیتی تو
ہم بے خانماں بھی اپنے گھروندے تعمیر کرتے
کاش قسمت جو ہمارا ساتھ دیتی تو

ہم اس نیل گگن کے چاند کو
اپنی سوچوں کی تصویر کرتے
اپنے ظلمت کدے میں کرنوں کی تنویر کرتے
اے کاش !
ہم بھی اپنی تقدیر سے تجھ کو جا گیر کرتے

ننھے تراب کے لیے

میرے ننھے فرشتے
میری ننھی سی جان
تجھے یاد تو ہوں گے وہ قیامت کے دن
جو تیرے اور میرے وجود پر قیامت بن کے
ٹوٹ رہے تھے
جب تیرے معصوم ننھے وجود کو
پیک اجل بار بار کھینچتا تھا
اور دار پر میری روح اٹکی ہوئی تھی
جب بجلیاں تیرے وجود میں کوندتی تھیں
اور تکلیف سے تیری معصومیت کراہتی تھی

تب جذبوں کی شدت سے
میری روح تک کانپ اٹھتی تھی
تب مری جاں! تجھے یاد تو ہوگا
کہ تیری زندگی کے واسطے میں نے اپنے جذبوں
کو قتل کرنے کی قسم کھائی تھی
اپنی روح کو اپنے جسم سے الگ کر دینے کی قسم
تب میری تڑپ پہ یا شاید ہزاروں دعاؤں پہ
مالک دو جہاں نے مجھ پہ احسان کیا
تجھے کر کے عطا زندگی
میرے جذبے ، میرے خلوص کا مان کیا
اور تمھیں معلوم ہے مری ننھی سی جاں
کہ خدائے ذوالجلال کے احسان کبھی
ادھورے نہیں ہوتے
سو آج اپنے آپ کو مکمل کر لو
اپنے جسم میں روح کو شامل کر لو
اور زندگی کو تا قیامت حاصل کر لو
گو حالات نے آج مجھ کو تم سے دور کیا
میرے خلوص میرے دل کو رنجور کیا

رشتوں میں گھلے زہر نے مجبور کیا

مگر پھر بھی!

وہ دن وہ لمحے تو نقش ہیں ہم دونوں پہ

خدا کے یہ احسان حسین قرض ہیں ہم دونوں پہ

اور یوں نبھائیں خدا کے احساں میری جاں

تو جی کے نبھا، میں مر کے مری جاں!

آہ! اس نے بھی شاعر وقت ہی سمجھا

اس نے کہا وہ جانتا ہے ہمیں
اس ایک لفظ کو ہم آج بھی اپنی جاگیر دیکھتے ہیں
دھندلے حرفوں میں جواب تک شناسائی ہے
اس میں اس کی تصویر دیکھتے ہیں
اپنے ہاتھ کی ریکھاؤں میں ڈھونڈا ہے اسے
اپنے ماتھے کی اس کو تقدیر دیکھتے ہیں
اس نے بھی زمانے کی طرح
شاعر وقت ہی سمجھا
جس کے خیال کو ہم
اپنی تقدیر کی تحریر دیکھتے ہیں

اپنی ہستی سے نا شناسائی کا دکھ تجھے کیا معلوم
تو تو خوشبو ہے مزاج ہے ترا ہواؤں جیسا

ابھی نہ جانا میرے چارہ گر

ابھی نہ جانا میرے چارہ گر !
کہ دھندلے دھندلے سے منظروں میں
ابھی تک یاد ہیں مجھے وہ تیری صدائیں
بھولی بسری ہوئی رتوں میں
آواز دیتی ہیں مجھے وہ تیری ادائیں
ابھی نہ جانا کہ
شامِ فراق کے ڈھلنے تک
اپنے اشکوں سے چراغ وفا جلانا ہے مجھے
جو درد سینے میں صدیوں سے نوحہ سرا ہے
وقت کی پرچھائیوں میں وہ درد کہیں چھپانا ہے ابھی

اپنی خاموش وفاؤں کو دفنانا ہے ابھی
ابھی نہ جانا کہ
تجھ سے بچھڑے تو موسم گل میں بھی مرجھا جائیں گے ہم
دشت وحشت میں وفا کے پھول کملا جائیں گے
تیرے احساس کے بن اس کٹھن سفر میں بے دست و پا جائیں گے
ابھی نہ جانا کہ
بھولے بسرے ہوئے کوچہ و در کیلئے
تا قیامت آبلہ پا شام سفر کیلئے
ضبط کا زہر پینا ہے مجھے
اس بے کراں دشت سفر میں
بے سروساماں راہگزر میں
تیری آرزوؤں میں جینا ہے مجھے
ابھی نہ جانا کہ
تیرے جانے سے پہلے
زندگی کو زہر جدائی پینا سکھا دوں
اپنی پلکوں سے چن کے خواب تیرے
زندگی کو تیرے بن جینا سکھا دوں

بھلا کیسے لگے گا؟

بعد برسوں کے ایکبار
میں اپنی مجبوریاں چھوڑ کے
اور وہ بھی مصلحتوں سے منہ موڑ کے
مدِ مقابل ہوئے
ایک دوجے کو سامنے پا کر
اس قدر حیراں تھے، لگتا تھا کہ جیسے پتھر ہو گئے ہوں
گم تھے سوچوں میں کہ کہیں خواب تو نہیں
اپنے اثبات وجود کیلئے
پتھرائی آنکھوں اور گونگے لبوں
کو زباں دینے کی کوشش کر رہے تھے

میں اُس سے پوچھتی کیسا لگتا ہے یوں جدائی کے بعد

قربِ اے جاناں

وہ میری آنکھوں میں دیکھتا اور کہتا

مجھے بس اتنا پتہ ہے کہ مجھے بے اختیار پیار آتا ہے
اور میں جو اپنی آنکھوں پہ اُس کے لمس کو
محسوس کرتی برسوں سے مردہ وجود میں زندگی
بھر رہی تھی
اس کے ایسے ہی سوال پہ اُسے حیرانی سے تکتی
اور اُسے کیسے بتاتی؟ کہ
موت کے بعد اگر کسی کو زندگی مل جائے
اُسے بھلا کیسے لگے گا؟

فرار

دکھ اور سکھ
غم اور خوشی
دونوں ہی دریا کا بہتا پانی
جو بہنا چاہتے ہیں
فرار مانگتے ہیں
خوشی ہوتی ہے دمکتے چہروں سے عیاں
دکھ ہوتے ہیں آنسوؤں کی صورت رواں
کبھی رنج والم کبھی آہ وفغاں
فرار تو ضروری ہے بقاء کیلئے
سو دونوں ہی فرار مانگتے ہیں
اور میں نے اندر کی گھٹن سے یوں مانگا ہے فرار
کیے ہیں ساری زیست کے غم لفظوں کی صورت بیاں

اتنا تو بتا جاؤ

اے اجنبی اے آشنا میرے
مانا بہت ضروری ہے
ترک تعلق کی ابتدا کرنا
راہ وفا تو بیکار ہے سب
سو اس کیلئے کیا زمانے کو خفا کرنا
زیست کی مشکل راہوں پہ
کبھی تنہا چلتے چلتے
رشتوں کی زنجیر پکڑ کر عمر رواں کے ڈھلتے ڈھلتے
گردش دوراں کی ساری رسمیں نبھا کر
آخر تھک تو تم بھی جاؤ گے

اور قریہ جاں میں تنہائی کا زہر
جب درد کی لہر اٹھائے گا
گزرے موسم کا کوئی حسین پہر جب تم کو بلائے گا
تب ایسی تنہائی میں میری یاد تو تم کو آئے گی
جو دکھ سکھ ہم نے بانٹے تھے ان کی یاد دلائے گی
مانا بے معنی اور بیکار تو اب محبت کی حقیقت ہے
محبت تو بس اب لمحوں کی ضرورت ہے
مگر شاید ایسی کوئی ضرورت
کسی ایک پل میں میری یاد دلائیگی
تب ایسے لمحوں میں کیا کرو گے جاناں
اتنا تو بتا جاؤ
ترک تعلق ضروری ہے تو پھر
یہ مجھے بھی سمجھا جاؤ

وقت کب مڑ کے آتا ہے

جب وہ میرے قریب بیٹھا میرے ساتھ باتیں کرتا ہے
زندگی کی تمام حقیقتیں بتاتا ہے
خوش رہنے اور ہنسنے کے گُر سکھاتا ہے
میں اسکی باتیں سننے کی بجائے
اسکا انداز، اسکا سراپا، اسکا لہجہ اپنی
آنکھوں کی پتلیوں میں نقش کرتی ہوں
اس کی باتوں کو
اس کے لفظوں کے معنی سمجھنے کی بجائے
زندگی کی تلخ حقیقتوں کو رد کرتی ہوں
اپنے اور اس کے بے نام رشتے کو ایک نیا نام
دینے کی کوشش کرتی ہوں
بھول جاتی ہوں سب تلخیاں، سب مجبوریاں

بس اسکے انداز تکتی ہوں

اور جب وہ چلا جاتا ہے
ہجر کی حقیقت سے آشنا ہوتی ہوں
تو اسکی وہ ساری کہی، ان کہی باتیں سننے کی،
سمجھنے کی کوشش کرتی ہوں
پھر اِدھر اُدھر سے اسکے خیال کو تھامے
زندگی کا مفہوم سمجھنے کی کوشش کرتی ہوں
مگر تب وہ سمجھانے والا بہت دور تک جا چکا ہوتا ہے
وقت کہاں مُڑ کے آتا ہے

اس نے کہا
تم ہنستے اچھی لگتی ہو
پھر ایسے ہوا
وہ ساری ہنسی لے گیا

اب کوئی نہیں

اے موجِ صبا اسے کہنا
اب کوئی نہیں
جو اس کی راہ تکتا ہو
اب کوئی نہیں
جو خونِ دل سے دیواروں پہ اسکا نام لکھے
جو مہکتی فضاؤں میں اس کو چاہتوں کے پیغام لکھے
اپنی زیست کے صبح و شام اسکے نام لکھے
اب کوئی نہیں
جو ڈھلتے سورج کی شفق میں اس کو ڈھونڈے
اور چاندنی راتوں میں چاند سے اس کی باتیں
کرتا ہو
اب کوئی نہیں
جو چڑھتے سورج کی کرنوں میں

اس کی آس لگائے بیٹھا ہو
اے موجِ صبا
اسے کہنا کہ
وقت نے منظر بدل دیے ہیں
وہ پنچھی جو گیت گاتے تھے اب نہیں رہے
وہ ساتھی جو یاد آتے تھے اب نہیں رہے
وہ پھول جو مسکراتے تھے اب نہیں رہے
اسے کہنا
ہاں اے موج صبا اسے کہنا
وہ شخص بھی اب نہیں رہا
جو اس کے نام کی مالا جپتا تھا
رنگینیوں کے سب منظر اسی کے نام کرتا تھا
خود روتا تھا مگر اسکے لیے ہنسی کی دُعائیں کرتا تھا
وہ شخص بھی بے موت اب
ہجر کی موت مر گیا ہے
مگر چاندنی راتوں کے سبھی منظر
اُسی کے نام کر گیا ہے
سب منظر اُسی کے نام کر گیا ہے

کبھی عمر کو زیست لکھا گیا
کبھی زیست کو عمر
انہی بھول بھلیوں میں
زیست گئی ہے گزر

میرا اثاثہ تیری تصویر

میں جو روتی ہوں ، بہلاتی ہے تری تصویر
شب بھر میرے دل کو بہکاتی ہے تری تصویر
چنتی ہے میری پلکوں سے تیرتے موتی
میں جو مسکاؤں ، کھکھلاتی ہے تری تصویر
کبھی جو بھولنے لگتی ہوں میں بہاروں کے رنگ
رنگ وہ آنکھوں میں برساتی ہے تری تصویر
تم سے ممکن ہو اگر لے جاؤ میری آنکھوں سے
مری پتلیوں میں جگمگاتی ہے تری تصویر
دور دیس کے باسی تری مہربانی ہے بڑی
مری تنہائیوں میں گنگناتی ہے تری تصویر
یوں نقش ہیں لوحِ دل پہ اس کی لکیریں
ستاروں کی طرح ٹمٹماتی ہے تری تصویر

یہ سب میری سوچ کا سفر ہے

یہ جو لفظ ہیں میرے، میری ہی سوچ کی تحریریں ہیں
میری کتاب زیست کے ورق ورق میں تیری ہی
تصویریں ہیں
میں تیری زیست کا وہ باب ہوں جسے تو نے کبھی پڑھا نہیں
انقلابِ وقت کے غم ہی مری نسبتیں میری جاگیریں ہیں
وہ سارے رشتے، سارے بندھن چاہوں بھی
تو بھول نہ پاؤں
ماضی کے دریچوں میں جھانکتی اَن دیکھے رشتوں کی
زنجیریں ہیں
اے شب ہجراں تیری ہچکیاں سنتا ہے کون بھلا مری طرح

وہ دشتِ ہجر کی شام میں پھیلی میرے کاجل
کی لکیریں ہیں
جو دامن دل پہ سجائے تھے وہ سب خواب
میرے اپنے تھے
اور وہ سنگریزوں کی صورت بکھری میرے خوابوں کی
تعبیریں ہیں
اے خلقتِ شہر نہ کرید و ماضی کی راکھ میں
مری یادوں کے نشاں
وہ عہدِ وفا نبھانے کی سب قسمیں بس میری
ہی تقصیریں ہیں

غزل

کس کی یادوں کو دل میں سنبھال رکھتی ہوں
میں اپنی سوچوں کو کاغذ پہ ڈال رکھتی ہوں

ستاتی ہیں جب شبِ غم کی تاریکیاں
اُسکے خیالوں سے آنگن اُجال رکھتی ہوں

میری ذات گم ہوئی ہے تیری ذات میں
میں اپنے بھلا کہاں خدوخال رکھتی ہوں

تیرا فراق اور ہجر کی لمبی سیاہ راتیں
کیا قیامت کے ماہ و سال رکھتی ہوں

شاید کوئی نکل آئے کبھی میری صفائی میں
عجب گواہوں کی بھیڑ چال رکھتی ہوں

شاہین اسکے ہجراں سے تعلق نبھانے کو
گھڑی بھر کی خواہشِ وصال رکھتی ہوں

آخری خواہش

آج ایک محبت کی موت دیکھی
تو دل میں عجب خواہش ابھری
اس کی آنکھیں پرسکون تھیں
اور لبوں پہ تھی عجیب رعنائی
اس کا محبوب اس کے سر پہ تھا
اور چمکتے تھے اس کے دست حنائی
میری آنکھوں نے جو یہ منظر دیکھا
تو میرے دل میں یہ سوچ آئی
کہ جب میرا وقتِ آخری آئے
اور جنازے میں میرے تو روبرو آئے
تب میری آنکھیں نہ بند ہو پائیں
اور ان کی سکوت پتلیوں میں بس تیرا ہی چہرہ سما جائے